القول المفید

علم نجوم اور عقیدۂ توحید

www.KitaboSunnat.com

امام محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ

دار المعرفۃ
پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

فہرست

القول المفید

- نجومیت کے متعلق گفتگو ---------- 7
- اعتراض وجواب ---------- 8
- حکمت نمبر۱.....آسمانی خوبصورتی کے لیے ---------- 11
- حکمت نمبر۲.....شیاطین کی سرکوبی کے لیے ---------- 12
- حکمت نمبر۳.....بطور علامات کہ جن سے راہنمائی حاصل کی جائے---------- 14
- منازل قمر کی تعلیم کے دو مطلب ہیں ---------- 15
- پہلی قسم ---------- 23
- دوسری قسم ---------- 24
- پہلی ---------- 55
- دوسری قسم ---------- 55
- پہلی انوع ---------- 55
- نوعِ ثانی---------- 56
- نوعِ ثالث ---------- 56
- نوع رابع ---------- 56
- اول ---------- 57
- ثانی ---------- 57
- اعتراض ---------- 58

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

- جواب ---------- 58
- باب محبت کے لیے آیت کی مناسب ---------- 59
- اعتراض ---------- 61
- جواب ---------- 61
- اول ---------- 61
- ثانی ---------- 61
- ثالث ---------- 62
- رابع ---------- 62
- خامس ---------- 62
- سادس ---------- 62
- باب کے لیے اس حدیث کی مناسبت ---------- 64
- حدیث میں ذیل میں خصلتوں میں سے پہلی خصلت ---------- 65
- اعتراض ---------- 66
- جواب ---------- 66
- دوسری خصلت ---------- 66
- تیسری خصلت ---------- 67
- اوّل..... آیۂ بقرہ کی تفسیر ---------- 79
- ثانیا..... آیۃ برائۃ کی تفسیر ---------- 79
- ثالث ---------- 80
- ربع ---------- 80
- خاص ---------- 81
- سادس ---------- 81

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

- سابع ---------- 82
- ثامن ---------- 82
- تاسع ---------- 83
- عاشر ---------- 83
- حادی عاشر (گیارھویں) ---------- 84
- ماقبل سے باب کی مناسب ---------- 84
- اطاعت کرنے کے باب میں کہا گیا ---------- 85
- توحید کے لیے خوف کی مناسبت ---------- 87
- ''تمھیں ڈراتا ہے'' کے معنی ---------- 88
- نتیجہ ---------- 89
- اول ---------- 95
- ثانی ---------- 96
- برائے ترجمہ کی حدیث کی مناسب ---------- 102
- منع ---------- 103
- نقص ---------- 103
- اول ---------- 103
- ثانی ---------- 104
- ثالث ---------- 104
- رابع ---------- 104
- مثال دینا اور کیفیت بیان کرنا ---------- 104
- خلاصہ باب ---------- 107
- ماقبل باب سے اس کی مناسب ---------- 107

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

- توکل ---------- 107
- توکل کی تین اقسام ہیں ---------- 110
- تنبیہ ---------- 119
- علما کا اختلاف ---------- 128
- خلاصہ ---------- 130
- سزا کی کئی اقسام ہیں ---------- 139
- اس حدیث کے لیے مؤلف کے سیاق کی غرض ---------- 141
- اس میں چند مسائل ہیں ---------- 145
- ریا کی تعریف ---------- 147
- دو مقامات پر ریا قابل بحث ہے ---------- 147
- اس کے شرک سے مراد ---------- 154
- اس باب کے عنوان کے تین احتمالات (امکانات) ہیں ---------- 160
- تنبیہ ---------- 161
- اعتراض ---------- 161
- جواب ---------- 161
- اعتراض ---------- 161
- جواب ---------- 162
- ملاحظہ ---------- 162
- اعتراض ---------- 165
- جواب ---------- 165
- تنبیہ ---------- 166

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

القول المفید

نجومیت کے متعلق گفتگو:

التنجیم: نجم صرف جیم کی شد کے ساتھ باب تفصیل میں ہے۔جس کا معنی یہ ہوا کہ علم نجوم سیکھنا یا اس کے اثر انداز ہونے پہ یقین رکھنا۔

علم نجوم کی دو اقسام ہیں:

۱۔ علم تاثیر

۲۔ علم تسییر

پہلے ہم دوسری قسم یعنی علم تاثیر پر بات کرتے ہیں۔اس کی تین اقسام ہیں:

ا: کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ یہ ستارے تفصیلی اعتبار سے بہت موثر ہیں۔

دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ یہ ستارے ہی دنیا کے حالات کی تبدیلی کرتے ہیں کواہ اچھے حالات یا بُرے تو اس لحاظ سے یہ قسم شرک اکبر کیوں کہ اس عقیدہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ایک اور خالق بھی ہے۔

پس جس نے یہ عقیدہ اپنایا تو وہ ایسا شرک تھا جو کہ شرک اکبر کا مرتکب ہوا۔

اس نے مخلوق (ستارے) کو خالق کے برابر کر دیا۔

ب: یا یہ سمجھے کہ ان ستاروں کے ذریعے وہ امور غیبہ تک رسائی حاصل کرتا ہے ان کی حرکات وسکنات یہ دعوجات کرے کہ ایسے ہوگا یا یوں ہوگا کیوں کہ فلاں ستارہ ایسے ایسے ہوگیا ہے وغیرہ۔۔

مثال کے طور پہ کسی کو (عامل یعنی علم نجوم کی مذکورہ قسم کے اعتقاد کا حامل) یہ کہے۔اس کی زندگی مخدوش گزرے گی کیوں کہ یہ فلاں شمسی ستارے کی گردش میں پیدا ہوا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا اس (عامل) نے ان ستاروں کو ذریعۂ علم غیب بنا رکھا ہے۔ اور اس قسم کا دعوی کفر یہ ہوتا ہے جو کہ مذکورہ عقیدے والے انسان کو خارج از اسلام کر دیتا ہے۔

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ (النمل: ٦٥)

''کہہ دے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے غیب نہیں جانتا اور وہ شعور نہیں رکھتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔''

اور مذکورہ آیت میں حتمی مصر کے ساتھ واضح بتایا گیا ہے کہ علم غیب اللہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا۔

جب اس بات کا کوئی دعویٰ کرتا ہے تو گویا وہ قرآن مجید کے اس آیت کو جھٹلاتا ہے۔

ج۔ یا یہ عقیدہ رکھے کہ خیر وشر کے واقع ہونے کا سبب یہ ستارے ہیں۔

یعنی جب کوئی کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے اس کی وجہ اس کا ستارہ گردش میں ہے۔

اور اگر کسی کو فائدہ ملے تو تب بھی سب ستارے کو مانا جاتا ہے۔

چناں چہ یہ بھی شرک اصغر ہے۔

اعتراض وجواب:

اگر کوئی یہ کہے مذکورہ بات اس حدیث کا خلاف نظر آتی ہے۔ جس میں آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

((.....))

''بے شک سورج وچاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں جن کے ذریعے اللہ اپنے بندو کو ڈراتا ہے۔''

لہٰذا ثابت ہوا کہ ان کے اندر ڈرانے کی تاثیر ہے۔ جب کہ اس بات کا جواب دو طریقے پر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۔ یہ قابل قبول نہیں کہ کسوف شمس یا قمر میں کوئی اس طرح کی تاثیر ہے کہ وہ حادثات عالم اور امور انجام جیسا کہ جنگ وجدل۔قحط سالی یا خشد سالی وغیرہ کے سبب ہوں۔

کیوں کہ مکمل حدیث اس بات کی تردید کرتی جیسا کہ

((.....الحدیث))

''آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں کسوف نہ تو کسی کی موت اور نہ ہی کسی کی پیدائش کی وجہ سے ہوتا بلکہ ان پر کسوف وصنوف (گرہن) اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔''

جسے دیکھ کر اس کے بندے ڈر جاتے ہیں۔تاکہ وہ اس کے حکم کی طرف لوٹ آئیں۔

۲۔ اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ دونوں یعنی سورج گرہن اور چاند گرہن میں اثر انداز ہونے کی قوت ہے۔کیوں کہ مذکورہ یعنی صریح میں اس کی دلالت موجود ہے۔لہٰذا اس کو ماننا واجب ہے۔پھر بھی ہم جواب میں کہیں گے اگر ایسا ہے بھی تو یہ وقتی ہے تاکہ دائمی تاثیر۔

جب کہ پہلی بات درست ہے جو ابھی بات ہوتی ہے یہ ٹھیک نہیں کیوں کہ مکمل حدیث میں ایسی کوئی دلیل یا اشارہ نہیں۔

بلکہ ڈرانے والا اللہ ہے اور ڈرانا (خوف) سزا کی ایک قسم ہے۔جب کہ کسوف ایک علامت ہے اور نشانی ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ڈرا رہا ہے۔

پہلی قسم یعنی علم التسییر فی النجوم:

اس کی دو قسمیں ہیں:

اوّل قسم :.....کہ ان ستاروں کے ذریعے دینی تہوار وغیرہ کے اوقات معلوم کیے جائیں۔یہ شرعاً مطلوب اور جائز ہے۔

اور جب ایسا ہے کہ یہ علم دینی معاملات کے اوقات میں مددگار ہے۔تو اس کا سیکھنا واجب صورت اختیار کر جاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ کوئی یہ ارادہ کرے بذریعہ ستارے سمت قبلہ دریافت کرنی ہے تو اسے جاننا پڑے گا کہ فلاں ستارہ جب تہائی رات کے تیسرے حصے میں رات کو نظر آتا ہے تو وہ قبلہ رخ ہوتا ہے۔ اسی طرح فلاں ستارہ چوتھائی رات کو چوتھے حصے میں رات کو قبلہ رخ ہوتا ہے۔ تو اس اعتبار سے یہ علم بہت مفید ہے۔

دوسری قسم :..... یہ کے ان ستاروں کے سبب کچھ دنیاوی مصلحتیں کو معلوم کرنا۔ تو اس میں چنداں حرج نہیں۔

اس کی بھی اقسام ہیں:

۱۔ جیسا کہ دنیا ارض کے سمتیں معلوم کرنا چناں چہ ستارہ قطب شمال کی طرف ہوتا ہے جب اس کے قریب بھی گھومتا ہے۔ شمال سمت میں وغیرہ وغیرہ۔

تو اس معاملے اور اعتبار میں علم نجوم سیکھنا جائز ہے۔

﴿وَ عَلٰمٰتٍ وَّ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ (النحل : ١٦)

''اور علامتیں (بنائیں) اور ستاروں کے ساتھ وہ راستہ معلوم کرتے ہیں۔''

۲۔ کہ ان کے ذریعے موسمی فصلوں کہ تعین کیا جائے جو کہ منازل چاند سے معلوم ہوتا ہے۔ اسے کچھ علما نے مکروہ اور بعض نے جائز قرار دیا ہے۔ جو علمائے کرام اس قسم کو سمجھنا ممنوع قرار دیتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں:

''جب یہ کہا جائے کہ فلاں ستارے کے طلوع ہونے سے سردی کا موسم (فصل) یا گرمی کا موسم معلوم ہوتا ہے تو خطرہ یہ ہے کہ بعض لوگ یہ نہ عقیدہ بنا لیں کہ اس ستارے کی وجہ سے سردی یا گرمی یا صورتیں آتی جاتی ہیں۔ جب کہ (میرے نزدیک) صحیح بات یہ ہے کہ اس قسم کا علم نجوم جائز ہے۔''

مذکورہ حدیث (اصل کتاب میں) حضرت قتادہ کہ یہ کہنا کہ (حق اشد.....)

''وہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین امور کے لیے پیدا فرمایا۔ اس میں لام تعلیلیہ ہے۔ یعنی یہ لام تعلیل اور حکمت کا معنی دیتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قولہ (ثلاث) اسے ثلاثۃ لکھنا بھی جائز ہے۔ مگر لفظ ''الثلاث'' زیادہ مناسب ہے۔ کیوں کہ محذوف کلام یوں ہوگا ثلاث حکم اس لیے تا الثانیت کو محذوف کیا گیا ہے۔ عدد ثلاث سے۔

اوران تین حکمتوں اورفوائد سے مراد یہ ہے۔

حکمت نمبرا:.....آسمانی خوبصورتی کے لیے:

جیسا کہ

﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ۝﴾ (الملك: ٥)

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں کے ساتھ زینت بخشی اور ہم نے انھیں شیطانوں کو مارنے کے آلے بنایا اور ہم نے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

کیوں کہ جب انسان چاندنی راتوں کے علاوہ آسمان کو شفاف دیکھتا بغیر روشنی کے تو ان ستاروں کی ایسی خوبصورتی ہوتی ہے کہ جیسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی صحرا میں ترتیب کے ساتھ محلات کھڑے ہی کوئی چاندی سی چمک لیے ہوئیں۔ کوئی سرخی مائل راکٹ چھوڑ رہا ہے تو کوئی نیلوفر کی طرح۔

کوئی انتہائی روشنی ہے وار کوئی مڈل کلاس میں اور کوئی ہلکا ہلکا روشنی ہے سبحان اللہ یہ سب کچھ مشاہدات اور تجربات میں ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ستارے آسمان میں پیوست ہیں یا ایسا نہیں ہے؟ تو ظاہری بات یہ ہے کہ ایسا نہیں کہ ستارے آسمان میں پیوست ہیں بلکہ درج ذیل آیت

﴿وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ۝﴾ (الانبیا: ٣٣)

''اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند پیدا کیے، سب ایک ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دائرے میں تیر رہے ہیں۔''

سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ گھومتے رہتے ہیں۔اور ہر ایک اپنا اپنا محور ہے۔

اور میں (مؤلف) نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ چاند نے ایک ستارے کو چھپایا ہوا ہے وہ ستارہ حالاں کہ انتہائی چمکدار ستارہ ہے اور درحقیقت بہت بڑا ہے۔ جو کہ قمری مہینے آ کر میں چاند کے قریب نظر آ جاتا ہے۔اور بوقت فجر چاند کی وجہ سے اوجھل ہو جاتا ہ۔

ایک بار وہ ہمیں نظر نہیں آ رہا تھا یہ دو سال قبل رمضان کے آخری ایام کی بات ہے۔

چناں چہ ثابت ہوا کہ

یہ ان ستاروں کے مقامات ومنازل اونچ ونیچ کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ اگر یہ کہا جائے درج ذیل آیت

﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ۝﴾ (الملك: ٥)

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں کے ساتھ زینت بخشی اور ہم نے انھیں شیطانوں کو مارنے کے آلے بنایا اور ہم نے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب ستارے ایک مقام یعنی آسمان دنیا میں واقع ہیں۔تو ہم عرض کریں گے۔

اس زینت سے یہ ضروری نہیں کہ سب برابر میں ہے۔

آپ دیکھیں کہ اگر کوئی آدمی ایک محل بنائے اور پھر اسے مختلف قسم کی لائٹنگ اور قمقموں سے سجائے تو دور سے دیکھنے والے کو یقیناً اس کی زینت وسجاوٹ نظر آئے مگر حقیقت میں یہ محل ہر اعتبار سے برابر ہیں۔

حکمت نمبر۲:.....شیاطین کی سرکوبی کے لیے:

یعنی شیاطین جن کی سرکوبی کے لیے بنائے ہیں۔ انسانی شیطان یہاں مراد نہیں ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کیوں کہ انسانی شیطان کی آسمانی ستاروں تک پہنچ نہیں ہوتی۔ لیکن جناتی شیطان وہاں تک پہنچ جاتے ہیں۔ کیوں کہ

وہ بہت طاقت ور ہوتے ہیں بہ نسبت انسانی شیطان کے اور بہت اثر انداز بھی ہوتے ہیں۔

جیسا کہ قرآن میں ہے۔

﴿وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍo﴾ (ص : ۳۷)

''اور شیطانوں کو، جو ہر طرح کے ماہر معمار اور ماہر غوطہ خور تھے۔''

پھر ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے انھیں مسخر کر دیا۔

اور دوسری آیت

﴿وَّآخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِo﴾ (ص : ۳۸)

''اور کچھ اوروں کو بھی (تابع کر دیا) جو بیڑیوں میں اکٹھے جکڑے ہوئے تھے۔''

﴿هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍo﴾ (ص : ۳۹)

''یہ ہماری عطا ہے، سو احسان کر، یا روک رکھ، کسی حساب کے بغیر۔''

یعنی یمن میں سبا بستی سے شام کی طرف کمہ سبا کا عرش لاؤں گا۔

یہ تمام آیات قرآنی دلالت کرتی ہیں کہ ان کے اندر سریع قسم کی طاقت اور اثر اندازہ کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

اور درج ذیل آیت بھی بتاتی ہے

﴿وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًاo﴾ (الجن : ۹)

''اور یہ کہ بے شک ہم اس کی کئی جگہوں میں سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے تو جو اب کان لگاتا ہے وہ اپنے لیے ایک چمکدار شعلہ گھات میں لگا ہوا پاتا ہے۔''

کہ جن شیاطین آسمانی کی طرف جاسوسی کے لیے جات میں تو اتنی بذریعے ستارے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سرکوبی کی جاتی ہے۔اور رجم کا معنی ہے کسی پتھر سے مارنا یا پتھر کی طرح جا ٹکرانا۔

حکمت نمبر:۳ بطور علامات کہ جن سے راہنمائی حاصل کی جائے:

اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَ اَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ وَ اَنْھٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَo وَ عَلٰمٰتٍ وَ بِالنَّجْمِ ھُمْ یَھْتَدُوْنَo﴾ (النحل: ۱۵۔۱٦)

''اور اس نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیے کہ وہ تمھیں ہلا نہ دے اور نہریں اور راستے بنائے، تاکہ تم منزل تک پہنچ جاؤ۔اور علامتیں (بنائیں) اور ستاروں کے ساتھ وہ راستہ معلوم کرتے ہیں۔''

پس ان آیات میں اللہ نے دو قسم علامات کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) ارضی علامات (۲) آفاقی علامات

اول: ارضی علامات تو اس میں ہر وہ نشانی وعلامت شامل ہے۔ جسے اللہ نے زمین کے اوپر بنایا ہے۔

جیسا کہ پہاڑ،نہریں، دریا، راستے، وادیاں وغیر۔

دوم: آفاقی علامات یعنی ستارے (نجم) عربی کلمہ وہ ''نجم'' پر اس ستارے پہ بولا جاسکتا ہے جس سے رہنمائی حاصل ہو سکے جب کہ اس سے کوتو خاص ستارہ مرد ہیں۔ کیونکہ ہر قوم کا اپنا طریقہ کار ہے ان ستاروں سے دینی مصالح (جہات واوقات معلوم کرنا) میں راہنمائی لینے کا۔

خواہ وہ قبلہ کی سمت ہو یا کسی علاقے کی خواہ بری راستے ہوں یا بحری راستے۔

اور یہ بہت بڑی اللہ کریم کی نعمت ہے کہ اس آسمان پہ یہ نشانیاں رکھی ہیں تاکہ کسی سے اوجھل نہ رہیں کیوں کہ رات کو پہاڑ یا وادیاں دیکھ سمت اور منازل متعین ومعلوم کرنا مشکل ہوتا ہے اندھیرے کی وجہ سے کچھ بھی نظر نہیں آتا جب کہ ستارے واضح طور پہ روشن نظر آتے ہیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

اور یہ اللہ نے ہمارے لیے سب کچھ مسخر کیا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (الجاثیہ: ۱۳)

''اللہ وہ ہے جس نے تمھاری خاطر سمندر کو مسخر کر دیا، تاکہ جہاز اس میں اس کے حکم سے چلیں اور تاکہ تم اس کا کچھ فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔''

جب کہ حضرت قتادہ نے منازل قمر کی تعلیم کو ناپسند فرمایا ہے۔ حضرت قتادہ کی کراہت سے مراد مرمت ہے کیوں کہ کلام سلف میں جب بھی کراہت مذکور ہوئی ہے اس سے مراد اکثر مرمت ہوتی ہے۔

منازل قمر کی تعلیم کے دو مطلب ہیں:

اول: اس سے مراد قمر کی منزل کی پہچان ہے.....

پس اس سے مراد ہر رات قمر کی منازل کی شناخت ہے کیوں کہ ہر رات کی اپنی منزل ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اٹھائیس، انتیس یا تیس دنوں کو پوری ہو جائے۔ وہ اکثر ظاہر نہیں ہوتی۔

ثانی: اس سے مراد منازل نجوم کی تعلیم ہے۔ یعنی فلاں ستارہ فلاں دن نکلتا ہے اور انہی ستاروں کو اللہ تعالیٰ نے سالوں کے لیے اوقات بنایا ہے۔ اس لیے کہ وہ ستارہ اس سے دایاں اور بایا ہے۔ پس جب سورج بائیں منازل میں اترتا ہے تو گرمی پڑتی ہے اور جب جنوب میں اترتا ہے تو سردی پڑتی ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ ٹھنڈک کی قربت کی علامت.....اور وہ دائیں ستاروں میں سے ہے۔

ابن عیینہ سے مراد معروف سفیان بن عیینہ ہیں۔ اور یہ کہ امت میں قتادہ کے قول کے موافق ہے۔ اس کی بات حرب سے مراد اصحاب احمد ہیں جن سے بہت سے مسائل مروی ہیں۔ اسحاق سے مراد اسحاق بن راہویہ ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ منازل قمر کی تسلیم میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ اس ہی شرک نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہاں اگر وہ اس کی تسلیم سے یہ مقصد رکھے کہ اس تسلیم کو بارش کے نزول یا ٹھنڈک کے حصول کی طرف نسبت کرے اور یہ کہے کہ اسی وجہ سے حاصل ہوتی ہیں تو یہ شرک کی قسم ہے۔ اور اگر محض وقت کا تعین مقصور ہو یعنی موسم بہار اور موسم خزاں یا سردی تو اس میں حرج کی کوئی بات نہیں۔

جنت سے مراد وہ گھر ہے جسے اللہ نے اپنے متقین اولیا کے لیے تیار کیا ہے۔ اس کا نام درختوں کی کثرت کی بنا پر رکھا گیا ہے۔ کیوں کہ وہ اسے ڈھانپ لیں گے۔

مدمن خمر وہ ہے جو کثرت سے شراب نوشی کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق شراب کی تعریف یہ ہے کہ ''ہر نشہ آور چیز شراب ہے۔'' ''اسکر'' کے معنی ہیں جو عقل کو ڈھانپ دے۔ اور ہر وہ چیز جو عقل کو چھپا دے وہ خمر ہے۔ پس مثلا .....خمر نہیں ہے۔ اور جب اسے ..... پس یہ خمر نہیں ہے۔ پس خمر وہ ہے جو لذت اور خوشی کے انداز میں عقل کو مستور کر دے۔ پس تو شراب نوشی کو پائے گا کہ وہ خود کو کسی اونچے اور خوش بخت مقام پر محسوس کرتا ہے۔ ایک شاعر کا شعر ہے۔

حمزہ بن عبدالمطلب کہتے ہیں کہ.....

پس ہر وہ چیز جو حصول لذت کے لیے عقل پر پردہ ڈال دے وہ کتاب وسنت کی رو سے حرام ہے۔ اور جو اسے حلال جانے کافر ہے۔ ہاں! اگر وہ کسی دور دراز کی بستی یا اسلام کے جدید عہد میں پروان چڑھا ہو اور وہ اس باب میں حکم شرعی سے نابلد ہو تو اسے محض خمر کی تحریم کے انکار کے باعث کافر نہیں گردانا جائے گا۔

''رشتے داری کو توڑنے والا'' رحم سے مراد اہل قرابت ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں۔

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۝﴾ (الانفال: ۷۵)

''اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمھارے ساتھ مل کر جہاد کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تو وہ تم ہی سے ہیں، اور رشتے دار اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

ایسا نہیں جیسا عام لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ زوجین کے قریبی ہیں کیوں کہ یہ نام رکھا غیر شرعی ہے اور زوجین کے اقارب میں شریعت یہ کہتی ہے کہ ان کا .....نام رکھا جائے۔ اور قاطع الرحم کے بے معنی ہیں کہ آدمی اپنے رشتے داروں سے میل جول نہ رکھے۔ اور صلہ کتاب وسنت میں عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ یَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ۝﴾ (الرعد: ۲۱)

''اور وہ جو اس چیز کو ملاتے ہیں جس کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ اسے ملایا جائے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب کا خوف رکھتے ہیں۔''

اور ارحام بھی غیر مقید اور عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ پس اس میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ جیسا کہ اس ضمن میں ایک شعر ہے:

اور ہر وہ چیز شرع میں جس کی تعریف نہ ہو جیسے ..... پس تو عرف کے ساتھ اس کی تعریف کر پس صلہ رحمی یہ ہے کہ بھوک اور تنگ دستی میں تو انھیں عطا کر اور ہمیشہ لباس اور کھانے میں ان کی خبر گیری کر۔ البتہ آسودگی کے زمانے میں یہ لازم نہیں۔

اور اس طرح قرب وبعد کے اعتبار سے اقارب کی کئی اقسام ہیں۔ پس جو سب سے زیادہ قریب ہے اس پر صلہ رحمی دور کے رشتے دار کے مقابلے میں زیادہ واجب ہے۔ پھر ایک اور اعتبار سے بھی اقارب کی قسمیں ہیں۔ اقارب کی ایک قسم یہ ہے کہ وہ اپنے حق خیال کرتا ہے جس پر قیام ضروری ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اسے ہمیشہ ملے اور دوسری قسم..... اور تعلق توڑنے میں بھی عرفیت کو جانا جائے گا۔ مگر اس میں ایک مسئلہ مستثنیٰ ہے اور وہ یہ ہے: اگر عرف میں عدمِ صلہ مطلق ہے۔ اس بنیا پر کہ ہم قربت سے ہٹ کر امت میں بہت دوری پر میں ایک دوسرے کی جیسا کہ مغربی ممالک میں کچھ رہتے ہیں تو اس وقت عرف پر عمل نہیں کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جائے گا اور ہم کہیں گے کہ صلہ رحمی ضروری ہے اور جب وہاں عرف میں صلہ رحمی ہو تو ہم اس پر عمل کریں گے اور جب وہاں صلہ نہ ہو تو ممکن نہیں کہ ہم اس شریعت کو جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے، معطل کریں۔

اور صلہ رحمی کا یہ مطلب نہیں کہ کہ جو تجھ سے ملے تو بھی اس سے مل کیوں کہ یہ تو تبادلہ ہے اور صلہ رحمی نہیں کیوں کہ انسان لوگون میں سے اپنے سے دور انسان سے ہی ملتا ہے اور اسے ہی واصل کہتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو تجھ سے قطع رحمی کرے تو اس سے صلہ رحمی کر۔ اور یہ وہی کرتا ہے جو اللہ کی رضا اور آخرت کا طلب گار ہو۔ کیا صلہ رحمی اللہ کا حق ہے یا آدمی کا؟

بظاہر تو یہ آدمی کا حق ہے اور اللہ کا حق اس اعتبار سے ہے کہ اس نے اس کا حکم دیا ہے۔

''جادو کی تصدیق کرنے والا'' اور یہ وہی ہے جو دروازے کی گواہی دینے والا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ستاروں کا علم جادو کی قسم میں سے ہے۔ جس نے اس کی تصدیق کی اس نے جادو کی اس قسم کی تصدیق کی۔ پس گزر چکا ہے کہ ''جو ستارون میں پڑا وہ جادو میں پڑا'' اس کی تصدیق کرنے والی ان چیزوں کی تصدیق کرتا ہے۔ جن کی ستارہ شناس خبر دیتے ہیں۔ پس جب ستارہ شماس کہے کہ فلاں فلاں چیز واقع ہوگی اور وہ اس کی تصدیق کرے تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اس لیے کہ اس نے غیر اللہ کے لیے علم غیب کی تصدیق کی۔

اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ اللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ۝﴾ (النحل: ٦٥)

''اور اللہ نے آسمان سے کچھ پانی نازل کیا، پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیا۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً ایک نشانی ہے جو سنتے ہیں۔''

پس اگر کہا جائے کہ یہاں جادو کو عام کیوں نہیں سمجھا جاتا تاکہ وہ ستاروں اور غیر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ستاروں پر مشتمل ہو سکے تو میں جواب دوں گا کہ جادوگروں کی علم غیب کی تصدیق کرنے والے پر یہاں وعید شامل نہیں ہے اور جو جادو کی تاثیر کی تصدیق کرنے والا ہے تو اس پر وعید شامل نہیں۔ کیوں کہ جادو کی تاثیر میں کوئی شک نہیں لیکن اس کی تاثیر تخیلاتی ہوتی ہے جیسا کہ فرعون کے جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں کو جادو زدہ کر دیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے رسیوں اور لاٹھی کو دوڑتے ہوئے سانپ خیال کیا۔ اگر چہ اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں تھی۔ اور جادوگر کسی پر ایسا سحر طاری کر دیتا ہے کہ وہ کسی سے محبت اور کسی سے بغض رکھنے لگتا ہے۔ پس جادو تاثیر رکھتا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں

﴿وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ وَ مَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰيهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۝﴾

(البقرہ: ۱۰۲)

''اور وہ اس چیز کے پیچھے لگ گئے جو شیاطین سلیمان کے عہد حکومت میں پڑھتے تھے اور سلیمان نے کفر نہیں کیا اور لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور (وہ اس چیز کے پیچھے لگ گئے) جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اتاری گئی، حالانکہ وہ دونوں کسی ایک کو نہیں سکھاتے تھے، یہاں تک کہ کہتے ہم تو محض ایک آزمائش ہیں، سو تو کفر نہ کر۔ پھر وہ ان دونوں سے وہ چیز سیکھتے جس کے ساتھ وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتے اور وہ اس کے ساتھ ہرگز کسی کو نقصان پہنچانے والے نہ تھے مگر اللہ کے اذن کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ساتھ۔ اور وہ ایسی چیز سیکھتے تھے جو انھیں نقصان پہنچاتی اور انھیں فائدہ نہ دیتی تھی۔ حالانکہ بلاشبہ یقیناً وہ جان چکے تھے کہ جس نے اسے خریدا آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں اور بے شک بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انھوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا۔ کاش! وہ جانتے ہوتے۔''

پس اس انداز سے جادو کی تاثیر کی تصدیق پر یہ وعید داخل نہیں کیوں کہ یہ یقینی واقعے کی تصدیق ہے۔ پس جس نے تصدیق کی کہ جادو..... میں اثر ڈالتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ لکڑی کو سونا وغیرہ بنا دیتا ہے تو کوئی شک نہیں ہے کہ اس میں یہ وعید شامل ہے کیوں کہ اس پر اللہ تعالیٰ ہی قادر ہیں۔

ہر بات کہ ''تین بندے جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔''

پس کیا اس سے مراد حصہ یعنی قطعیت ہے کہ انہی کے سوا باقی سب جنت میں جائیں گے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ نہیں۔ کیوں کہ یہاں وہ مراد نہیں جو ان کے سوا باقی جنت میں نہیں جائیں گے۔ پس یہ حدیث قطعیت پر دلالت نہیں کرتی۔ کیا یہ کفار اس بنا پر ہیں کہ کوئی کافر جنت میں نہیں جائے گا؟ اہل علم نے اس حدیث میں اور اس سے ملتی جلتی وعید کی احادیث میں چند آرا کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔

پہلی رائے: ان معتزلہ اور خوارج کا مذہب جو محض وعید کی نصوص پر اعتماد کرتے ہیں۔ پس وہ اس نافرمانی کے باعث ایمان سے خروج خیال کرتے ہیں۔ لیکن خوارج کہتے ہیں: وہ کافر ہے اور معتزلہ کہتے ہیں: وہ دو درجوں کے بیچ میں ایک درجے پر ہے۔ دونوں گروہ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ پس وہ اس طرح کی احادیث کو ان کے ظواہر پر محمول کرتے ہیں۔ وہ ان احادیث کی طرف نہیں دیکھتے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس کے دل میں کم تر درجے کا بھی ایمان ہوا وہ ضرور جنت میں ہی داخل ہوگا۔

دوسری رائے: یہ وعید اس شخص کے بارے میں ہے جو اس فعل کو جائز سمجھتا ہے ان کثیر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نصوص کو دلیل پکڑتے ہوئے جو دلالت کرتی ہیں کہ جس کے دل میں کم تر درجے کا بھی ایمان ہوا وہ جنت میں ضرور جائے گا۔ یہ دلیل نادرست ہے۔ اس لیے کہ جو اس فعل کو جائز اور حلال سمجھتا ہے وہ کافر ہے اگرچہ وہ یہ فعل انجام نہ دے۔ پس جو قطع رحمی یا شراب نوشی کو حلال سمجھتا ہے تو وہ کافی ہے اگرچہ وہ خود قطع رحمی کرے نہ شراب نوشی کرے۔

تیسری رائے: یہ حدیث وعید کی انھی احادیث کی طرح ہے جو گزر چکیں جیسا کہ.....اوران کی معنویت سے تعرض نہیں برتا جائے گا۔ بلکہ کہا جائے گا: اسی طرح اللہ اوراس کے رسول ﷺ نے فرمایا.....جیسے اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ (النساء: ۹۳)

''اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے، اس میں ہمیشہ رہنے والا ہے اور اللہ اس پر غصے ہوگیا اور اس نے اس پر لعنت کی اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کیا ہے۔''

یہ آیت وعید کی نصوص میں سے ہے۔ پس ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کی معنویت سے تعرض نہیں رکھتے۔ اس آیت کی معارض دوسری نصوص بھی ہیں۔ ہم کہتے ہیں: اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے ارادوں کو زیادہ جانتا ہے۔ اکثر سلف یہی رائے رکھتے ہیں جیسا کہ امام مالک وغیرہ۔ اور یہ انتہا کی ڈانٹ ہے۔

چوتھی رائے: یہ نفی مطلق ہے۔ اور نفی مطلق کو مقید کو محمول کیا جاتا ہے۔ پس کہا جائے گا: جب تک انھیں عذاب نہ دھرلے یہ جنت میں قطعی داخل نہیں ہوں گے، لیکن اپنے گناہوں کے حساب سے عذاب چکھ کر جنت میں جائیں گے۔ یہ اس لیے ہے کہ شرعی نصوص ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی تفہیم کرتے ہیں۔

یہ بات قواعد کے اس قدر قریب اور اتنی واضح ہے کہ نصوص کی شناخت واضح ہوجاتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ پس نصوص کے کچھ حصے دوسرے حصوں کو مقید یعنی مشروط کرتے ہیں۔

اور یہاں ایک امکان ہے: جادو ٹونے کے قائل اور مصدق کا اگر انجام بد ہو اور وہ کافرانہ حالت میں مر جائے تو پھر اس مسئلے کی تفہیم میں کوئی دقعت نہیں رہتی۔ کیوں کہ جو کفر پر مر جائے وہ جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ وہ دائم جہنم میں رہے گا۔ اس بات کی تائید رسالت مآب ﷺ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے: جب تک آدمی حرام خون نہ بہائے تب تک..... یہ پانچواں قول ہے۔

اس میں چند مسائل ہیں:

اول: ستاروں کی تخلیق میں حکمت۔ اور یہ تین ہیں:

۱۔ آسمان کی زینت کے لیے

۲۔ شیاطین کو رجم کرنے کے لیے

۳۔ رہنمائی کے لیے یہ علامات ہیں۔

ثانی: جو اس کے سوا جانے اس کی تردید: اس کا باعث حضرت قتادہ کا یہ قول ہے: جو ان ستاروں میں اس کے سوا فضول قسم کی تاویلات میں پڑا وہ خطا کار بھی رہے اور بے ثواب بھی۔ اس نے خود کو ان چیزوں کو جاننے میں خواہ مخواہ تکلیف دی جن کا اسے علم ہی نہیں۔

حضرت قتادہ کے قول میں ''غیر ذالک'' سے مراد ستارہ شناسوں کی وہ دلیل ہے جو وہ آسمانی احوال کے ذریعے زمینی حادثات پر چسپاں کرتے ہیں۔ اگر ان ستاروں میں سابقہ تین صفات کے سوا اور ہی امور ہوں تو اس شخص کے لیے کوئی گم راہی نہیں جو ان کی تاویل کرے۔

ثالث: منازل کے سیکھنے ہی اختلاف کا ذکر: اس کا بیان ہو چکا ہے۔

رابع: اس شخص کے بارے میں وعید جو جادو کی کسی چیز کی تصدیق کرے اگر چہ وہ اسے باطل جانے: جس نے ستارے یا جادو وغیرہ کی تصدیق کی اپنی زبان سے اگر چہ وہ دل سے اس کے اس کے بُطلان کا عقیدہ رکھے تو وہ اس وعید کا شکار ہوگا۔ وہ اسے باطل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جانتے ہوئے اس کی تصدیق کیسے کرسکتا ہے کیوں کہ وہ اس کی تعلیم اور اس کی مشق کے ذریعے لوگوں کو دھوکے ہیں ڈالتا ہے۔

الاستسقاء: پانی طلب کرنا، جیسے استغفار کے معنی مغفرت طلب کرنا، استعانت کے معنی مدد طلب، استعاذہ کے معنی پناہ طلب کرنا، استہدا کے معنی ہدیہ طلب کرنا ہے۔ کیوں کہ استفعل کے مادے میں اکثر طلب کے معنی پائے جاتے ہیں۔ کبھی یہ طلب پر دلالت نہیں بھی کرتا بلکہ کسی فعل کے مبالغ پر دلالت کرتا ہے، جیسے استکبر کے معنی ہیں کہ وہ بڑھاپے میں انتہا درجے کو پہنچ گیا۔ یہاں بڑھاپا طلب کرنے کے معنی میں نہیں ہے۔ استقاء بالانواء کے معنی ہیں کہ تو ان سے پانی پلانا طلب کرنا استسقا بالانواء کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:

شرک اکبر اور اس کی دو صورتیں ہیں:

اول: ستاروں سے بارش طلب کی جائے۔ جیسا کہ کوئی کہے: اے فلاں ستارے! ہم پر برس یا ہماری مدد کر یا ان سے ملتا جلتا قول کہے۔ پس یہ شرک اکبر ہے کیوں کہ اس نے غیر اللہ کو پکارا۔ اور غیر اللہ کو پکارنا شرک اکبر میں سے ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المومنون: ۱۱۷)

''اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے، جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں تو اس کا حساب صرف اس کے رب کے پاس ہے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ کافر فلاح نہیں پائیں گے۔''

اور فرمایا:

﴿وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ (الجن: ۱۸)

''اور یہ کہ بلاشبہ مساجد اللہ کے لیے ہیں، پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ۝﴾ (یونس: ۱۰۶)

''اور اللہ کو چھوڑ کر اس چیز کو مت پکار جو نہ تجھے نفع دے اور نہ تجھے نقصان پہنچائے، پھر اگر تو نے ایسا کیا تو یقیناً تو اس وقت ظالموں سے ہوگا۔''

اور اس کے علاوہ کثیر آیات ہیں جو غیر اللہ کو پکارنے کی نفی میں ہیں اور یہ شرک اکبر ہے۔

دوم: یہ کہ بارش کے حصول کو ان ستاروں کی طرف منسوب کیا جائے اس بنیاد پر کہ یہ بجائے اللہ کے بذاب خود فاعل ہیں اگر وہ ان ستاروں سے دعا نہ مانگے تو یہ ربوبیت میں شرک اکبر ہے۔ اور جو پہلا شرک ہے وہ عبادت ہی ہے کیوں کہ دعا عبادت کا حصہ ہے۔ اور یہ ربوبیت میں شرک کو شامل ہے کیوں کہ اس نے انھیں پکارا تو نہیں مگر اس کا عقیدہ ہے کہ یہی فاعل ہیں اور بارش کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔

دوسری قسم:

شرک اصغر، اور وہ یہ ہے کہ ان ستاروں کو سبب بنایا جائے یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ اللہ خالق اور فاعل ہے۔ کیوں کہ جو بھی ایسی چیز کو سبب بنائے جسے اللہ نے سبب نہیں بنایا نہ اپنی وحی کے ذریعے نہ اپنی قدرت میں تو وہ چھوٹے شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔

اللہ کا یہ فرمان "وتجعلون" یعنی تم بناتے ہو۔ اس کے دو مفعول ہیں: اول: رزق، دوم: أن۔ اور دوسرے مفعول کے مصدر کی تاویل ہیں۔ ..... تقدیر یہ ہے: تم اپنا رزق جھوٹ کو بناتے ہو۔ مطلب: تم جھوٹ بولتے ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس حیثیت سے کہ تم اس کے حصول کی نسبت غیر کی طرف کرتے ہو۔

اس کا فرمان ''تمھارا رزق'' رزق سے مراد عطا ہے اور یہاں اس سے مراد چیز ہے جو بارش سے زیادہ عام ہے۔ پس اس کے دو معنی ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اول: اس سے مراد علم کی عطا ہے کیوں کہ اللہ نے فرمایا:

﴿فَلَا اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ o وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ o اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيمٌ o فِيْ كِتَابٍ مَّكْنُوْنٍ o يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ o تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ o اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ o وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ o﴾ (الواقعه: ۷۵۔۸۲)

''پس نہیں! میں ستاروں کے گرنے کی جگہوں کی قسم کھاتا ہوں! اور بلاشبہ یہ یقیناً ایسی قسم ہے کہ اگر تم جانو تو بہت بڑی ہے۔ کہ بلاشبہ یہ یقیناً ایک باعزت پڑھی جانے والی چیز ہے۔ ایک ایسی کتاب میں جو چھپا کر رکھی ہوئی ہے۔ اسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا مگر جو بہت پاک کیے ہوئے ہیں۔ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔ پھر کیا اس کلام سے تم بے توجہی کرنے والے ہو؟ اور تم اپنا حصہ یہ ٹھہراتے ہو کہ بے شک تم جھٹلاتے ہو۔''

یعنی تم ان ستاروں سے ڈرتے ہو اور انھیں فریب دیتے ہو اور خدا کے عطا کردہ علم اور وحی کی قدر کرنے کے بجائے تم ان سے جھوٹ بولتے ہو اور یہی آیت کا ظاہری سیاق ہے۔

دوم: اس سے مراد بارش کا عطا کرنا ہے۔ اس باب میں نبی ﷺ سے ایک ضعیف سی حدیث مروی ہے مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیت کی تفسیر میں ایک صحیح روایت بھی ہے کہ رزق سے مراد بارش ہے۔ تکذیب یہ ہے کہ بارش کو ستاروں کی طرف منسوب کیا جائے۔ اور اسی بنیاد پر باب کی مکمل مناسبت کے باعث مؤلف نے آیت کے سیاق کو لایا ہے۔

تفسیر کا قاعدہ یہی ہے کہ جب آیت کے دو معنی اکٹھے آجائیں اور دونوں کا احتمال ہو بغیر ایک دوسرے کے نفی کے تو دونوں اکٹھے معنی مراد لیے جائیں اور اگر ان دونوں کے بیچ میں باہم منفیت ہو تو راجح مطلب کو مانا جائے گا۔

آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ رزق کے شکر کو جھوٹ، نجوت اور دوری بناتے ہیں اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انھیں ڈانٹتا ہے کہ کیوں کہ رازق کا شکر تصدیق، قبولیت اور منعم کی اطاعت ماننے میں ہوتا ہے اور فطرت انعامات کی تکفیر کو قبول نہیں کرتی۔ فطرت، عقل اور شرع تمام واجب قرار دیتے ہیں کہ جو تجھ پہ انعامات کرے اس کا شکر ادا کر۔ برابر ہے کہ ہم کہیں: رزق سے مراد بارش ہے جس سے زمین کی زندگی ہے یا ہم کہیں: رزق سے مراد قرآن ہے جو دلوں کی زندگی ہے۔ پس یہ سب سے بڑا رزق ہے۔ پس کیسے مناسب ہے کہ انسان تکذیب کے ساتھ اس نعمت کا مقابلہ کرے۔ اور تو جان رکھ کہ تکذیب کی دو قسمیں ہیں۔

نمبر ایک: زبانیہ مقال سے تکذیب کرنا اس طرح کہ یہ جھوٹ ہے یا بارش ستارے کے باعث ہوئی ہے یا اس طرح کی کوئی بات کہنا۔

نمبر دو: زبان حال سے تکذیب کرنا، اس طرح کہ یہ عقیدہ رکھتے ہوئے ستاروں کی تعظیم کرنا کہ یہی سبب بنتے ہیں۔ اسی لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے لوگوں کو وعظ کیا ایک دن اور کہا: ''اے لوگو! اگر تم تصدیق کرتے ہو تو تم احمق ہو اور اگر تم تکذیب کرتے ہو تو ہلاک ہو گے۔''

یہی صحیح بات ہے۔ پس جو بنا عمل کے محض تصدیق کرے وہ احمق ہے اور تکذیب کار ہلاکت میں پڑے گا۔ پس ہم اب گنہگار انسان کی بابت کہیں گے: تیرا دو میں سے ایک معاملہ ہے: یا تو اس نافرمانی پر ترتیب شدہ چیز کی تصدیق کرتا ہے تا تکذیب۔ اگر تو تصدیق کار ہے تو تو احمٰن ہے، کیسے ممکن ہے کہ تو نہ ڈرے اور استقامت اختیار کرے؟ اور اگر تو تصدیق نہیں کرتا تو یہ اس سے بڑی مصیبت ہے۔ پس تو حالت کفر میں ہلاک ہونے والا ہے۔

اس کی یہ بات: ابو مالک رحمہ اللہ کی حدیث میں ''میری امت میں چار چیزیں۔''

''اربع'' کے قول سے فائدہ یہ ہے کہ اس سے مصر مراد نہیں ہے۔ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان علوم کو مصر کرنے کے باب میں ہے اور علوم کی تقسیم اور عدد کی جمع کے باب میں ہے۔ کیوں کہ فہم کے یہی قریب ہے اور یاد دہانی بھی ثابت ہے۔

اس کا فرمان: ''امتی'' یعنی امتِ اجابت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کا فرمان: "مـن امـر الـجـاهـلية" یہاں امر، کیفیت کے معنی میں ہے۔یعنی جاہلیت کی کیفیت۔ اس کی جمع امور ہے، اوامر نہیں کیوں کہ اوامر کی واحد، استعلا کے اعتبار سے فعل کی طبیعت پر ہے۔

اس کی یہ بات "مـن أمر الجاهلية" اس میں امر کی اضافت جاہلیت کی طرف ہے اور مراد اس سے قیامت اور تنفر ہے۔ کیوں کہ جس کسی سے کہا جائے کہ تیرا فعل جاہلیت کا سا ہے تو وہ ناراض ہو جائے گا۔ کیوں کہ کوئی بھی خود کو جہالت کی طرف منسوب کیے جانے کو پسند نہیں کرتا اور نہ اسے کہ اس کا فعل جاہلیت کے افعال میں سے ہے۔ پس یہاں اضافت سے غرض دو چیزیں ہیں:

۱۔ تنفیر

۲۔ یہ تمام امور جاہلیت پر مبنی ہیں اور انسان کی حماقت کی دلیل ہیں۔ پس حماقت اس لائق نہیں کہ انسان اس کا لحاظ کرے یا اسے درخورِ اعتنا سمجھے۔ پس جو اسے لائق توجہ جانے وہ جاہل ہے۔

اور یہاں جاہلیت سے مراد بعثت سے قبل کا زمانہ ہے کیوں کہ وہ جہالت اور عظیم گم راہی میں پڑے تھے یہاں تک کہ عرب اللہ کی مخلوق میں سب سے جاہل تھے۔ اسی لیے تو انھیں امی کہا جاتا تھا۔ اور امی وہ ہوتا ہے جو پڑھ سکے نہ لکھ سکے۔ یہ ام کی نسبت ہے۔ گویا اس کی ماں نے اسے ابھی جنا ہے۔ لیکن جب ان میں نبی کریم ﷺ کی ولادت ہوئی تو اللہ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝﴾ (آل عمران: ١٦٤)

''بلاشبہ یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا جب اس نے ان میں ایک رسول انھی میں سے بھیجا، جو ان پر اس کی آیات پڑھتا اور انھیں پاک کرتا اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، حالانکہ بلاشبہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔''

پس یہ عظمت کی بات تھی کہ ان شاندار امور کے لیے ان میں نبی ﷺ کی بعثت ہوئی۔

۱۔ ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے۔

۲۔ ان کا تزکیہ کرتا ہے، ان کے اخلاق اور ان کی عبادت کی تطہیر کرتا اور انھیں بڑھاتا ہے۔

۳۔ انھیں کتاب کی تقسیم دیتا ہے۔

۴۔ حکمت (سکھاتا ہے)

یہ چار عظیم فوائد ہیں۔ اگر ان میں سے ایک کا بھی وزن کیا جائے دنیا کے مقابلے میں تو اس کے قدر شناس کے نزدیک دنیا کے مقابلے میں اس کا وزن بڑھ جائے۔ پھر (بعثت سے قبل) ان کی حالت بیان کی گئی۔ پس اللہ نے فرمایا

﴿وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (الجمعه: ۲)

یہاں "أن" نافیہ نہیں بلکہ تاکیداً آیا ہے۔ پس یہ ثقیلہ سے مخففہ ہے۔ یعنی بے شک وہ اس سے قبل کھلی گم راہی میں تھے۔

یہاں جاہلیت سے مراد قبل بعثت ہے۔ کیوں کہ لوگ اسی دور میں بہت جہالت میں تھے۔ پس ان کا جہل اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق میں جہل کو شامل تھا۔ ان کا جہل یہ تھا۔

کہ وہ بتوں کو نصب کرتے اور بجائے اللہ کے ان کی پوجا کرتے۔ نیز اپنی بیٹیوں کو باعث شرم جانتے ہوئے قتل کرتے اور غربت کے ڈر سے بیٹوں بیٹیوں کو مار ڈالتے۔

اس کی بات "لا یتوکونھن" کہ وہ انھیں چھوڑیں گے نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مجموعی اعتبار سے ان میں سے کوئی ایک اس مجموعے کو نہیں چھوڑے گا۔ یعنی ایسا شخص ہر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جماعت میں ہوگا۔ دوسرا اروں کے پاس، تیسرا اوروں کے پاس اور چوتھا اوروں کے پاس۔ اور یہ ساری اقسام ایک قبیلے میں جمع ہوجاتی ہیں۔ اور بعض قبائل میں قطعی طور پر ایک بھی ایسا شخص نہیں ہوگا۔ یعنی امت میں مجموعی لحاظ سے کوئی نہ کوئی چیز ضرور پائی جائے گی۔ کیوں کہ یہ صادق ومصدوق کی طرف سے خبر ہے۔ اور اس خبر سے مراد تنفر دلانا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کبھی بعض چیزوں کے وقوع کی خبر دی جاتی ہے اور ان سے مراد کسی قسم کا مواخذہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ضرور اپنے پہلوں کے طریقوں پر چلو گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بچو۔ اور آپ ﷺ نے خبر دی: عورت صیغا سے حضرموت تک جائے گی۔ اور وہ سوائے اللہ کے کسی سے نہیں ڈرے گی۔ یعنی وہ محرم کے بغیر سفر کرے گی اور یہ ایک یقینی واقعے کی خبر ہے۔ اس کا شرعی طور پر اقرار نہیں۔

اس کی بات "الفخر بالأحساب" یعنی اپنے حساب پر فخر کرنا اور اسے بڑائی اور عظمت جاننا۔ یہاں "با" سبب کے لیے ہے یعنی اس حسب پر فخر کرے جس پر وہ ہے،۔

حسب کے معنی: وہ چیز جسے انسان اپنے لیے شرف اور سیادت خیال کرے۔ جب کہ وہ بنی ہاشم سے ہے اور اس پر فخر کرے یا اس کے آباؤ اجداد شجاعت میں مشہور ہوں اور وہ اس پر فخر کرے اور یہ چیز جاہلی امور میں سے ہے۔ کیوں کہ درحقیقت فخر تو اللہ کا ڈر ہے جو انسان کو نخوت اور عظمت سے روکتا ہے۔ اور حقیقتاً متقی وہ ہے کہ جب

اس پر اللہ کی نعمتوں کا اضافہ ہو تو وہ اللہ اور اس کی مخلوق کے آگے اور عاجز بن جائے اور جب حسب پر فخر جاہلی فعل ہے تو ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اسے کریں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی بیویوں سے فرمایا

﴿وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۝﴾

(الاحزاب: ۳۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو! اور تمھیں پاک کر دے، خوب پاک کرنا۔''

اور تو جان لے کہ جو چیز جاہلیت کی طرف منسوب ہے وہ مذموم بھی ہے اور ممنوع بھی۔

اس کا قول "الطعن فی الأکتاب" یعنی نسب پر طعن لگانا۔ طعن: عیب کو کہتے ہیں کیوں کہ یہ معنوی چبھن ہے جیسے جسم ہی طاعون کی چبھن۔ اسی لیے عیب کو طعن کہا گیا۔

انساب: نسب کی جمع، اور یہ انسان کی اصل اور اس کی قرابت ہے۔ اگر کوئی کسی کے نسب پر طعن کرے تو گویا وہ کہتا ہے: تو چمڑہ ساز کا بیٹا ہے یا تو بے چلن عورت کا بیٹا ہے۔ اور وہ ایک چیز ہے جو عورت کی شرم گاہ میں ہوتی ہے اور اسے عورتوں کے ختنے کے وقت کاٹ لیا جاتا ہے۔ اس کی بات (ستاروں سے بارش طلب کرنا) یعنی بارش کی نسبت ستاروں کی طرف کرنا یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر کوئی یہ اعتقاد رکھے ستارے ہی بارش اور بادل تخلیق کرتے ہیں بانزول بارش کے لیے اللہ کے سوا انھیں پکارا جائے تو یہ شرک اکبر ہے اور ایسا شخص مذہب سے خارج ہے۔

اس کی بات (میت پر نوحہ خوانی) یہ چوتھی خصلت ہے۔ نوحہ یہ ہے کہ میت پر قصداً اونچی آواز سے رویا جائے۔ مناسب ہے کہ اسے نوح کے انداز میں منسوب کیا جائے جیسے میت کے رونے کی طرح۔

ندب: میت کے محاسن کی تعداد

نوحہ ایک جاہلانہ رسم ہے اور یہ امت میں لازمی پائی جاتی ہے اور یہ جاہلیت کے امور میں سے تھی۔

جہل علم کی ضد ہے یا جہل حماقت ہے جو حکمت کی ضد ہے۔ اور یہ چند امور کے لیے اس طرح ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۱۔ نوحہ، نوحہ کرنے والے کی شدت، غم اور عذاب میں اضافہ کرتا ہے۔

۲۔ اللہ کے فیصلوں سے ناراضی کا باعث بنتا اور اس پر اعتراض کرتا ہے۔

۳۔ غیر کے غموں کو بھڑکاتا ہے۔

ابن عقیل رحمہ اللہ کے بارے میں مذکور ہے جو مقابلہ علما میں سے ہیں کہ وہ اپنے بیٹے عقیل کے جنازے کے لیے نکلے اور وہ اس کا بڑا بیٹا اور طالب علم تھا۔ جب وہ قبرستان میں پہنچے تو ایک آدمی چلایا۔

﴿قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۝﴾ (یوسف: ۷۸)

''انھوں نے کہا اے عزیز! بے شک اس کا ایک بڑا بوڑھا باپ ہے، سو تو ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ رکھ لے، بے شک ہم تجھے احسان کرنے والوں سے دیکھتے ہیں۔''

پس ابن عقیل نے اس سے کہا کہ قرآن غموں کی تسکین کے لیے نازل ہوا ہے نہ کہ غموں کو بھڑکانے کے لیے۔

۴۔ ان تمام مفاسد کے باوجود یہ نہ تو قضا کو رد کرتا ہے اور نہ مصیبت کو رفع کرتا ہے نوحے کا شکار مرد وزن دونوں ہوتے ہیں لیکن اکثر عورتیں اس کا شکار ہوتی ہیں۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ''نوحہ کرنے والی موت سے قبل توبہ نہ کرے۔'' یعنی اگر وہ تائب ہو جائے موت سے قبل تو اللہ اسے معاف کر دے گا۔ حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ توبہ ہی اس گناہ کو مٹاتی ہے اور نیکیاں اسے نہیں مٹاتیں۔ اس لیے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے اور کبائر نیکیوں سے ختم نہیں ہوتے۔ صرف توبہ ہی سے مٹتے ہیں۔

اسے قیامت کے روز کھڑا کیا جائے گا اور اس پر کولتار کی مانند ایک (آتش گیر) چیز کا لباس ہوگا۔

یعنی اسے اس کی قبر سے کھڑا کیا جائے گا۔ سربال: زرہ کی طرح کشادہ کپڑا اور قطران

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ایک معروف چیز ہے۔اسے تارکول بھی کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے.....

اس کا قول ''زرہ ہوگی خارش سے'' جوب: جسم کی ایک معروف مرض ہے۔

جوانسان کو بے دار رکھتی ہے اور بعض اوقات وہ مرض حیوان کو مار ڈالتی ہے۔مطلب یہ ہے کہ اس کی ساری جلد زرہ کی جگہ پر خارش بن جائے گی اور جب تارکول اور خارش اکٹھے ہوں تو مصیبت اور بڑھے گی۔ کیوں کہ خارش وہ چیز ہے جسے انسان چھوتا اور اس سے متاثر ہوتا ہے اور جب اس کے ساتھ تارکول ہوتو پھر کیا عالم ہوگا؟

اور حکمت یہ ہے کہ جب حالت مصیبت میں صبر نہ کیا جائے تو پھر تارکول کا لباس اور خارش زدہ زدہ ہی کا شکار ہونا پڑے گا۔ پس یہ سزا عمل کی جنس میں سے ہے۔

حدیث سے چیز چیزیں نکلتی ہیں:

۱۔ آپ ﷺ کی رسالت کا ثبوت کیوں کہ آپ نے ایک دن دیکھے واقعے کی خبر دی ہے جو اسی طرح واقع ہوگا جیسے آپ ﷺ نے بتایا۔

۲۔ ان چار چیزوں سے متنفر ہونا: حسب پر فخر، نسب پر طعن، ستاروں سے بارش کی طلب، مردے پر واویلا کرنا۔

۳۔ نوحہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے کیوں کہ آخرت میں اس فعل پر وعید ہے۔اور آخرت میں جس فعل پر وعید ہو تو وہ کبائر میں سے ہے۔

۴۔ کبیرہ گناہ نیک اعمال سے ختم نہیں ہوتے کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے ''جب وہ اپنی موت سے پہلے توبہ کرے۔

۵۔ توبہ کی شرط یہ ہے کہ وہ موت سے پہلے ہو۔کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''جب وہ اپنی موت سے قبل توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ کا بھی فرمان ہے۔

﴿وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ (النساء: ۱۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''اور توبہ ان لوگوں کی نہیں جو برے کام کیے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جاتی ہے تو وہ کہتا ہے بے شک میں نے اب توبہ کر لی اور نہ ان کی ہے جو اس حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہوتے ہیں، یہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔''

۶۔ شرک اصغر سے انسان مذہب سے خارج نہیں ہوتا۔ بعض علما کہتے ہیں: ایسا بندہ خدا کی مشیت کے تحت داخل ہے۔ اگر وہ چاہے تو عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف کرے۔ اور بعض اہل علم کہتے ہیں: وہ مشیت خداوندی کے تحت داخل نہیں۔ اسے ضرور سزا ہوگی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ یہی رائے رکھتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا۝﴾ (النساء: ۱۱۶)

''بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا اور جو اللہ کے ساتھ شریک بنائے تو یقیناً وہ بھٹک گیا، بہت دور بھٹکنا۔''

پس آپ نے فرمایا: شرک بھلے چھوٹا ہو اللہ اسے معاف نہیں کرے گا۔ اسی وجہ سے ہم شرک کی برائی کی انتہا کو جانتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں بجائے خدا کے کسی کی سچی قسم کھاؤں اس سے بہتر ہے کہ میں خدا کی جھوٹی قسم کھالوں۔

کیوں کہ غیر اللہ کی قسم شرک ہے اور اللہ کی جھوٹی قسم کبائر میں سے ہے۔ اور شرکوں کی برائی کسی بھی گناہ کی برائی سے بڑی ہوتی ہے۔

۷۔ جزا اور دوبارہ جی اٹھنے کا ثبوت

۸۔ کسی عمل کی جزا

زید بن خالد کی حدیث کے الفاظ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، یعنی ہماری امامت کرائی۔ کیوں کہ امام ہی اپنے اور غیر کے لیے نماز پڑھتا ہے۔ اور اسی وجہ سے مقتدی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کی پیروی کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے: لام باء کے معنی میں ہے اور یہ قریب ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے: لام تعلیل کے لیے ہے، یعنی ہماری وجہ سے نماز پڑھی۔

اس کی بات کہ حدیبیہ میں صبح کی نماز، یعنی فجر کی نماز، حدیبیہ میں دو لغات ہیں: تخفیف اور یہ اکثر ہے اور تشدید اور یہ کنویں کا نام ہے۔ اسی وجہ سے جگہ کا نام پڑا۔

کہا گیا ہے کہ اس کی اصل حدبا کا درخت ہے جس کے باعث اس کا نام حدیبیہ پڑا۔ اکثر کا خیال ہے کہ یہ کنویں کا نام ہے۔ یہ جگہ مکے کے قریب ہے۔ اس کا کچھ حصہ حل اور کچھ حرم میں ہے۔ آپ ﷺ عمرے کی غرض سے ہجرت کے چھٹے سال یہاں آئے۔ پس مشرکین نے آپ ﷺ کو بیت اللہ سے روک دیا۔ حالاں کہ وہ اس کے متولی نہیں تھے بلکہ اس کے متولی تو متقین تھے اب اس کا نام شمیسی ہے۔

اس کا یہ قول "علیٰ اثر ....." (یعنی رات کی پچھلی تاریکی میں۔ اثر کے معنی ہیں: پیچھا اور اُثر کے معنی ہیں: رات کے وقت چلنے کا نشان۔

اس کا قول کہ "السماء" اس سے مراد بارش ہے۔

اس کا قول "کانت من اللیل" من یہاں ابتدائے غایت کے لیے آیا ہے۔ پہلی ظاہر ہے باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔ ممکن ہے من ظرفیت کے معنی میں ہو۔

اس کا قول "فلما انصرف" یعنی اپنی نماز سے پھرے۔ یہاں جگہ سے پھرنا مراد نہیں کیوں کہ اس کی دلیل "اقبل علی الناس" یعنی لوگوں کی طرف پلٹے جو ہے۔

آپ ﷺ کا یہ قول "ھل ....." استفہام سے مراد تنبیہ اور خبر کی اطلاع کا شوق دلانا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ کے رسول ﷺ تو باخبر تھے کہ یہ اللہ کے فرمان سے بے خبر ہیں کیوں کہ ان پر وحی کا نزول جو نہیں ہوتا۔

آپ ﷺ کے اس فرمانا کا مطلب "ھل تدرون" یہ ہے کہ کیا تم جانتے ہو۔

ربوبیت سے مراد یہاں خاص ربوبیت ہے کیوں کہ جیسے مومن کی عبادت اللہ کے لیے خاص ہے۔ ویسے اس کی ربوبیت بھی مومنوں کے لیے خاص ہے۔ لیکن خصوصیت سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عمومیت کی نفی نہیں ہوتی۔ کیوں کہ عمومیت پر اپرے غیرے کو شامل ہوتی ہے۔ اور خصوصیت مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔

آپ کا فرمان "قالوا: الله ورسوله أعلم" اس میں ایک نحوی وقت ہے کیوں کہ ''اعلم'' صیغہ واحد ہے لیکن خبر تشنیہ کی دے رہا ہے۔تو جواب اس وقت کا یہ ہے کہ جب اسم تفصیل سے ''من'' کے معنی کی نسبت کی جائے اور وہ ٠ اُلی اور اضافت سے خالی ہو تو اس میں مفرد پن اور تذکیر لازم ہے۔

اس میں ایک معنوی اشکال بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو واؤ کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ باوجود اس کے کہ جب آپ ﷺ سے ایک آدمی نے کہا کہ جو اللہ چاہے اور آپ ﷺ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو مجھے اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے؟ تو کہا جائے گا کہ یہ شرعی امر ہے اور اللہ کے رسول ﷺ پر نازل ہوا اور "ماشاء الله وشفت" کہنے والے کا انکار یہ امر کونی ہے اور امور کونیہ میں رسول ﷺ کا کوئی اختیار نہیں۔

ان کے اس فرمان "الله ورسوله اعلم" سے مراد علم کی سپردگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف کرنا ہے کیوں کہ وہ (صحابہ) نہیں جانتے۔

آپ ﷺ کا فرمان "أصبح من عبادي ...." مومن محذوف موصوف کی صفت ہے یعنی عبد مومن اور عبد کافر۔

"أصبح" کان کے اخرات میں سے ہے۔اس کا اسم ''مومن'' اور خبر ''من عبادی'' ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ "أصبح" فعل ماضی ناقص ہو اور اس کا اسم ضمیر شان ہے، یعنی حالت ہوگئی۔ "من عبادي" مقدم خبر ہے اور ''مومن'' مبتدا مؤخر ہے۔یعنی ان میں سے کچھ لوگ مومن ہوگئے اور کچھ کافر۔

آپ ﷺ کا یہ فرمان "فأما من ...." یعنی اپنی زبان اور اپنے دل سے کہا۔ باء سببیت کے لیے ہے اور افضل کے معنی ہیں: عطا اور بڑھوتری۔

رحمت اللہ کی صفت ہے جس کے باعث مخلوق کے ساتھ انعام اور احسان ہوتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ کا فرمان "فـذالك مـؤمـن ....." اس لیے کہ اس نے بارش کی نسبت بجائے ستارے کے اللہ کی طرف کی اور اس کے نزول کے لیے اسے مؤثر خیال نہیں کیا بلکہ یہ اللہ کے فضل سے نازل ہوئی۔ آپ ﷺ کا فرمان "وأما من ....." الباء سببیت کے لیے ہے۔ پس اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا بن گیا۔ اس لیے کہ اس نے اللہ کی نعمت کا انکار کیا اور اس کی نسبت اس سبب کی طرف کی جسے اللہ نے سبب بنایا ہی نہیں تھا۔ پس اس کا نفی اسی سبب کے ساتھ متعلق ہو گیا۔ اور وہ اللہ کی نعمت کو بھول گیا۔ اور یہ ایسا کفر ہے جو مذہب سے خارج نہیں کرتا کیوں کہ اس نے سبب کی بنیاد پر ستاروں کی طرف بارش کی نسبت کی ہے نہ کہ ستاروں کو بذات خود فاعل جانا ہے۔

کیوں کہ اس نے کہا کہ "مـطـونـا بنوءِ كذا" یعنی فلاں ستارے کے باعث ہم پر بارش ہوئی۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ فلاں ستارے نے ہم پر بارش برسائی۔ کیوں کہ اگر وہ یہ کہتا تو ستارے کی طرف بارش کی نسبت ایک نسبت ایجاد ہوتی۔ اور اسی باعث ہم ایسے شخص کو خطا کار کہتے ہیں۔ جس نے کہا: "مطونا بنوء كذا" سے مراد بارش کی نسبت ستارے کی طرف ایک نسبت ایجاد ہے کیوں کہ اگر یہی مراد ہوتی تو وہ کہتا: فلاں ستارے نے ہم پر بارش نازل کی جب کہ اس نے نہیں کہ ہمیں اس سے بارش ہوئی۔ پس معلوم ہوا کہ اس سے مراد یہی ہے کہ جس نے اقرار کیا کہ اللہ ہی نے بارش پیدا کی اور نازل کی، لیکن ستارہ اس کا باعث بنا تو وہ کافر ہے اور یہ کفر اصغر ہے جو مذہب سے خارج نہیں کرتا۔

کوکب سے مراد نجم ہے۔ اور وہ اسی کی طرف بارش نسبت کرتے تھے اور وہ کہتے تھے: جب فلاں ستارہ گرتا ہے تو بارش ہوتی ہے۔ اور جب فلاں ستارہ طلوع ہوتا ہے تو بارش ہوتی ہے۔ اور وہ اس کی طرف وقت کی نسبت نہیں کرتے تھے بلکہ یہ سبب کی نسبت ہوتی تھی۔ پس ستارے کی طرف بارش کی نسبت کی تین اقسام ہیں:

۱۔ نسبت ایجاد، یہ شرک اکبر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۲۔ نسبت سبب، یہ شرکِ اصغر ہے۔

۳۔ نسبت وقت، یہ جائز ہے اگر وہ اپنی بات سے یہ مراد ہے: ہم پر فلاں ستارے سے بارش ہوئی۔یعنی اس ستارے کے وقت میں بارش ہوئی۔

اسی لیے علما نے کہا: یہ کہنا حرام ہے: ہم پر فلاں ستارے کے باعث بارش ہوئی۔اور یہ جائز ہے: ہم پر فلاں ستارے میں بارش ہوئی۔ انھوں نے دونوں کے بیچ میں بائے سببیت کے باعث فرق کیا ہے۔اور بائے ظرفیت کے باعث۔ کچھ اہل علم نے کہا: جب اس نے یہ کہا کہ "مطرنا بنوء کذا"اور یہاں باءظرفیت کے لیے بنائی تو یہ جائز ہے۔کیوں کہ یہ معنی کی حیثیت سے تو وجہ بن رہی ہے لیکن لفظی حیثیت سے وجہ نہیں بن رہی، کیوں کہ حدیث کے لفظ ہیں:"من قال: مطرنا بنوء کذا" یہاں باءظرفیت سے زیادہ سبب کے لیے واضح ہے۔اور یہ ظرفیت کے لیے بھی آئی ہے۔ جب کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِمْ مُصْبِحِينَ ٥ وَبِاللَّيْلِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ٥﴾

(الصافات: ۱۳۷۔۱۳۸)

''اور بلا شبہ تم یقیناً صبح جاتے ہوئے ان پر سے گزرتے ہو۔اور رات کو بھی۔تو کیا تم سمجھتے نہیں؟''

لیکن اس کا سببیت کے لیے ہونا بالکل واضح ہے۔ اور ضد، ضد کے ساتھ ہے۔ پس ''فی'' جو ظرفیت کے لیے ہے وہ سببیت کے لیے اس سے زیادہ ظاہر ہے۔ اگر چہ وہ سببیت کے لیے آپ ہے۔جیسا کہ آپ ﷺ کے فرمان میں ہے

((دخلت امرأة النار فی هوة))

''ایک عورت بلی کے باعث جہنم میں چلی گئی۔''

حاصل کلام یہ ہے کہ اقرب یہی ہے کہ یہ منع ہے اگر چہ ظرفیت کا قصد کیا جائے، لیکن جب متکلم عموماً باء سے ظرفیت ہی مراد لیتا ہو اور اسے یہ گمان نہ ہو کہ یہ سببیت کے لیے بھی آتی ہے تو یہ جائز ہے اور اس کے ساتھ زیادہ قریب یہ ہے کہ ان کے لیے کہا جائے: تم کہو:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فلاں ستارے میں۔ اس کا قول "ولھما" ظاہر یہی ہے کہ قلم گزر چکا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو یہ حدیث ''مسلم'' میں ہے اور ''صحیحین'' میں نہیں۔

حدیث کے معنی: جب بارش نازل ہوئی تو بعض نے اسے اللہ کی رحمت کی طرف منسوب کیا اور بعض نے کہا: فلاں فلاں ستارہ سچا ہے۔ گویا اس نے بارش برسانے کا باعث ستارے کو بنایا یا یہ جانا کہ بارش اس کے سبب سے نازل ہوئی۔

اور ان میں سے بعض کتابوں میں توقیت کا ذکر ہے.....

یا اس کا وہ ستارہ سچا ہے۔ اور یہ جائز نہیں۔ یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ نے انکار کیا ہے اپنے بندوں پر۔ یہ شرک اصغر ہے۔ اگر کہے کہ اللہ کے حکم سے تو یہ بھی جائز نہیں کیوں کہ تمام اسباب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور اللہ نے ستارے کو سبب نہیں بنایا۔

اللہ کا فرمان "فلا أقسم بموقع النجوم" :''لا'' میں اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ نافیہ ہے اور منفی محذوف ہے۔ تقدیر یہ ہے: وہ چیزیں درست نہیں۔ جنھیں تم خیال کرتے ہو کہ قرآن (نعوذ باللہ) جھوٹا یا جادو یا کہانت ہے۔ میں ستاروں کے مواقع کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ قرآن کریم ہے۔

پس "أقسم" کا تعلق "لا" کے ساتھ کچھ بھی نہیں۔ اور اس کی کچھ وجہ ہے۔ اور کہا گیا: بے شک منفی قسم ہے اور وہ اُقسم پر داخل ہے، یعنی میں قسم نہیں اٹھاتا اور میں ہرگز قسم نہیں اٹھاتا اس بات پر کہ یہ قرآن قرآن کریم ہے کیوں کہ یہ چیز محتاج بیان نہیں۔ لیکن یہ بات بہت کم زور ہے۔

اور کہا گیا کہ "لا" تنبیہ کے لیے ہے اور اس کے بعد کا جملہ مثبت ہے۔ کیوں کہ "لا" التنبہ کے معنی میں ہے، میں ستاروں کے مواقع کی قسم اٹھاتا ہوں۔ یہی بات درست ہے۔

اگر کہا جائے کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ بغیر قسم اٹھائے ہی سچا ہے تو پھر قسم کا کیا فائدہ۔ کیوں کہ اگر قسم قران پر ایمان لانے والوں اور اس کی تصدیق کرنے والوں کے لیے ہے تو اس کی کوئی حاجت نہیں اور اگر ایسے لوگوں کے لیے ہے جو اس پر ایمان نہیں رکھتے تو اس کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فائدہ کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ لَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ بِکُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ وَ مَاۤ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَ مَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ۝﴾

(البقرہ: ۱۴۵)

''اور یقیناً اگر تو ان لوگوں کے پاس جنھیں کتاب دی گئی ہے، ہر نشانی بھی لے آئے وہ تیرے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ تو کسی صورت ان کے قبلے کی پیروی کرنے والا ہے اور نہ ان کا بعض کسی صورت بعض کے قبلے کی پیروی کرنے والا ہے اور یقیناً اگر تو نے ان کی خواہشوں کی پیروی کی، اس علم کے بعد جو تیرے پاس آیا ہے، تو بے شک تو اس وقت ضرور ظالموں سے ہوگا۔''

میرا جواب یہ ہے کہ بعض وجوہ سے قسم کے فائدے ہیں:

اول: چیزوں کی تاکید کے لیے قسم اٹھانا عربی اسلوب ہے اگرچہ یہ سبھی کے نزدیک معلوم شدہ ہو یا مخاطب اس سے لاعلم ہو اور قرآن فصاحب والی عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔

ثانی: اس سے مومن کا یقین اور پختہ ہوتا ہے۔ جو چیزیں بندے کے یقین میں زیادتی کا باعث بنتی ہیں ان کے لانے میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت فرمایا:

﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۝﴾ (البقرہ: ۲۶۰)

''اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب! مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ فرمایا اور کیا تو نے یقین نہیں کیا؟ کہا کیوں نہیں اور لیکن اس لیے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میرا دل پوری تسلی حاصل کر لے۔ فرمایا پھر چار پرندے پکڑ اور انھیں اپنے ساتھ مانوس کر لے، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک حصہ رکھ دے، پھر انھیں بلا، دوڑتے ہوئے تیرے پاس آ جائیں گے اور جان لے کہ بے شک اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

ثالث: اللہ کا عظیم چیزوں کی قسم اٹھانا اس کی کمال قدرت، عظمت اور علم پر دلالت کرتا ہے۔

گویا وہ "ما أقسم به" کی عظمت کی وساطت سے اس "مقسم به" میں "ما أقسم عليه" کی صحت پر دلائل قائم کرتا ہے۔

رابع: "مقسم به" کے حال کے ساتھ بلندی، کیوں کہ عظیم چیز کی قسم اٹھائی جاتی ہے۔ یہ دونوں وجوہ خبر کی تصدیق کی طرف نہیں لوٹتیں بلکہ جن کی بلندی کے لیے قسم اٹھائی جاتی اور جن کی عظمت پر تنبیہ کی جاتی ہے ان آیات کے ذکر کی طرف لوٹتی ہیں۔

خاص: "مقسم عليه' کا اہتمام اور یہ عنایت اور اثبات کے لائق ہے۔

اس کا قول "فلا أقسم بمواقع النجوم" اللہ سبحانہ وتعالیٰ ضمیر مفرد کے ساتھ اپنی ذات کی بابت خبر دیتے ہیں کیوں کہ یہ انفرادیت اور توحید پر دلالت کرتی ہے۔ پس وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور کبھی ضمیر جمع کے ساتھ بھی اپنی ذات کے بارے میں خبر دیتے ہیں۔ کیوں کہ یہ عظمت پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ۝﴾ (الحجر: ۹)

''بے شک ہم نے ہی یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔''

اور اسی کا فرمان:

﴿إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ إِمَامٍ مُّبِيْنٍ۝﴾ (یٰسٓ: ۱۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''بے شک ہم ہی مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ہم لکھ رہے ہیں جو عمل انھوں نے آگے بھیجے اور ان کے چھوڑے ہوئے نشان بھی اور جو بھی چیز ہے ہم نے اسے ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے۔''

اور تشنیہ کے ساتھ اپنے بارے میں خبر نہیں دیتے کیوں کہ مثنی دو کے ساتھ محصور ہوتا ہے۔ باء حرف قسم ہے۔ مواقع، موقع کی جمع ہے۔ نجوم میں اختلاف ہے، ایک قول ہے: یہ معروف ستارے ہیں۔ ان کے مواقع سے مراد ان کے طلوع اور غروب کی جگہیں ہیں۔

اور اللہ نے ان کی قسم اس لیے اٹھائی ہے کیونکہ اس نئے انتظام میں اس کی کمال قدرت کی دلیل ہے جب کہ اس میں مقسم بہ اور مقسم علیہ کے درمیان کوئی مناسبت نہیں۔ اور یہ قرآن محفوظ مضبوط لشکروں کی وساطت سے ہے۔ بے شک آسمان نزول وحی کے وقت شدید حفاظت کرنے والوں اور مضبوط لشکروں سے بھر جاتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے: اس سے مراد نزول قرآن کے اوقات مراد ہیں۔ اسی سے ان کا قول ہے: قرآن آہستہ آہستہ نازل کیا گیا۔ فقہا کا قول ہے: تحریر شدہ قرض کو دو یا دو سے زیادہ قسطوں میں بطور مدت دیا جانا واجب ہے۔ پس اللہ نزول قرآن کے مواقع کی قسم اٹھاتا ہے۔ پس ہمارے لیے مفید قاعدہ گزر چکا ہے اور وہ یہ ہے: جب دو معنی ایک دوسرے کی نفی نہ کریں تو آیت سے دونوں معنی مراد لیے جائیں بصورت دیگر ترجیح شدہ کو اختیار کیا جائے۔

اس کا قول "وانہ لقسم لو تعلمون عظیم" : ''قسم'' ان کی خبر ہے اور اللہ تعالیٰ نے مقسم علیہ کی بلندی اور تعظیم کے لیے ان اور لام کے ساتھ اس قسم کو مضبوط کیا ہے۔

اس کا قول "لو تعلمون" تیسری تاکید ہے۔ گویا اس نے کہا: مناسب یہی ہے کہ تم اس چیز کو جانو اور اس سے بے خبر نہ رہو اور یہ اس کے نمبر معلوم ہونے سے زیادہ بڑی ہے۔ پس اس میں علم اور انتباہ کی ضرورت ہے۔ اگر تم علم کا حق جان لو تو تم اس کی عظمت پہچان لو، پس خبردار رہو۔

اس کا قول "لقرآن" اسم فاعل اور اسم مفعول کے معنی میں غفران اور شکران کی طرح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

مصدر ہے۔ اگر اول ہو تو اس سے مراد یہ نہ ہوگا کہ یہ ان تمام معانی پر مشتمل ہے جو کتب سابقہ میں تھے یعنی مصلحتیں اور منفعتیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۝﴾ (المائدہ: ٤٨)

''اور ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ بھیجی، اس حال میں کہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو کتابوں میں سے اس سے پہلے ہے اور اس پر محافظ ہے۔ پس ان کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کر جو اللہ نے نازل کیا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر، اس سے ہٹ کر جو حق میں سے تیرے پاس آیا ہے۔ تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک راستہ اور ایک طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمھیں ایک امت بنا دیتا اور لیکن تاکہ وہ تمھیں اس میں آزمائے جو اس نے تمھیں دیا ہے۔ پس نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، اللہ ہی کی طرف تم سب کا لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمھیں بتائے گا جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔''

اگر دوسرا معنی ہو تو یہ مجموع کے معنی میں ہوگا کیوں کہ یہ تحریر جمع شدہ ہے۔

اس کا قول ''کریم'' عطائے کثیر پر بولا جاتا ہے اور یہ عطا میں کمال ہے اور غیر کے لیے شمار کیا گیا ہے۔ اور یہ کسی چیز کی خوبصورتی پر بھی بولا جاتا ہے۔ اسی سے آپ ﷺ کا فرمان:

((اياك وكرائم اموالهم))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یعنی اس کا حسن اور خوبصورتی۔ اور یہ ذات میں کمال ہے۔ یہ دونوں معانی قرآن میں موجود ہیں۔ پس بذات خود قرآن سے خوبصورت کوئی چیز نہیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ (الانعام: ۱۱۵)

''اور تیرے رب کی بات سچ اور انصاف کے اعتبار سے پوری ہوگئی، اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

پس قرآن اپنے ماننے والوں کو دینی، دنیوی، جسمانی اور قلبی خیرات دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾ (الفرقان: ۵۲)

''پس تو کافروں کا کہنا مت مان اور اس کے ساتھ ان سے جہاد کر، بہت بڑا جہاد۔''

یہ ہتھیار ہے اس کے لیے جو اسے مضبوطی سے تھام لے، لیکن قول، عمل اور عقیدے کے ساتھ اسے پکڑنا ضروری ہے۔ پس ضروری ہے کہ عمل عقیدے کی تصدیق کرے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((الحدیث))

''سنو! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا اور اگر وہ خراب ہو تو سارا وجود خراب رہتا ہے۔۔ سنو وہ دل ہے۔''

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ قرآن کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ یہ مجید ہے۔ مجد، عظمت، عزت اور قوت کا وصف ہے۔ قرآن میں دو چیزیں جمع ہیں: اس میں قوت اور عظمت بھی ہے اور اسی طرح کثیر خیرات اور اسے مضبوطی سے تھامنے والے پر احسان بھی ہے۔

اس کا قول ''فی کتاب مکنون'' کتاب مفعول کے معنی میں فعال ہے، جیسے: مفروش

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے معنی میں فراش اور مغروس کے معنی میں غراس اور کتاب مکتوب کے معنی میں ہے۔ مکنون: محفوظ۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ﴾ (الصافات: ٤٩)

''جیسے وہ چھپا کر رکھے ہوئے انڈے ہوں۔''

مفسرین نے اس کتاب میں دو اقوال کی بنا پر اختلاف کیا ہے:

اول: ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ صحائف وہ ہوتے ہیں جو فرشتوں کے ہاتھ میں ہوں۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ۝ فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ۝﴾ (عبس: ١١-١٥)

''ایسا ہرگز نہیں چاہیے، یہ (قرآن) تو ایک نصیحت ہے۔ تو جو چاہے اسے قبول کر لے۔ ایسے صحیفوں میں ہے جن کی عزت کی جاتی ہے۔ جو بلند کیے ہوئے، پاک کیے ہوئے ہیں۔ ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں۔''

پس آپ کا یہ فرمان "بأيدي سفرة" ترجیح دیتا ہے کہ اس سے مراد وہ کتب ہیں جو فرشتوں کے ہاتھ میں ہیں کیوں کہ آپ کا یہ فرمان "لا يمسه الا المطهرون" یعنی فرشتے آپ کیا اس فرمان "بأيدي سفرة" کے ہم وزن ہے۔ اور اس بنیاد پر کتاب سے مراد جنس ہے نہ ہے واحد۔

آپ کا فرمان "لا يمسه الا المطهرون" یہ ضمیر کتاب مکنون کی طرف لوٹتی ہے کیوں کہ یہ چیز زیادہ قریب ہے۔ اور یہ "لا يمسه" قرآء کے اتفاق کے ساتھ رفع کے ساتھ ہے۔ اور ہمیں اس شخص کے قول کو رد کرنے کے لیے تنبیہ کی گئی ہے جو کہتا ہے: یہ خبر نہی کے معنی میں ہے اور ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے، یعنی سوائے طاہر کے کسی اور کو قرآن چھونے سے منع کیا ہے۔ حالاں کہ آیت میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس پر دلالت کرے۔

بلکہ ظاہراً اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے کیوں کہ وہ قریبی مذکور ہے اور اس لیے بھی کہ وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

خبر ہے اور خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ اپنے ظاہر پر خبر ہی رہے نہ کہ امر یا نہی یہاں تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل کھڑی ہو۔ جب اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہیں بلکہ دلیل اس بات پر ہے کہ اس سے مراد یہی ہے اور کتاب مکنون کی طرف لوٹتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا "الا المطھرون" اسم مفعول کے ساتھ اور نہیں کہا: "الا المطھرون" اگر مراد "مطھرین" ہوتا تو یہی کہتے یا کہتے: "الا المتطھرون" جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى یَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ۝﴾

(البقرہ: ۲۲۲)

''اور وہ تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے وہ ایک طرح کی گندگی ہے، سو حیض میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ غسل کر لیں تو ان کے پاس آؤ جہاں سے تمھیں اللہ نے حکم دیا ہے۔ بے شک اللہ ان سے محبت کرتا ہے جو بہت توبہ کرنے والے ہیں اور ان سے محبت کرتا ہے جو بہت پاک رہنے والے ہیں۔''

مطھرون: جنھیں اللہ نے ظاہر کر دیا اور وہ فرشتے ہیں وہ گناہوں اور ناپاکیوں سے پاک کر دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝﴾ (التحرم: ٦)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں، اس پر سخت دل، بہت مضبوط فرشتے مقرر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہیں، جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو وہ انھیں حکم دے اور وہ کرتے ہیں جو حکم دیے جاتے ہیں۔''

اللہ فرماتے ہیں:

﴿يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَo﴾ (الانبیاء: ۲۰)

''وہ رات اور دن تسبیح کرتے ہیں، وقفہ نہیں کرتے۔''

اور فرمایا:

﴿وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَo لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَo﴾ (الانبیاء: ۲۶۔۲۷)

''اور انھوں نے کہا رحمان نے کوئی اولاد بنا رکھی ہے، وہ پاک ہے، بلکہ وہ بندے ہیں جنھیں عزت دی گئی ہے۔ وہ بات کرنے میں اس سے پہل نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم کے ساتھ ہی عمل کرتے ہیں''

اور فرق کیا گیا اس مطہر کے درمیان جو بذات خود طہارت کا فعل حاصل کرتا ہے اور اس مطہر کے درمیان جسے کوئی اور طاہر کرے اور وہ فرشتے ہیں۔ اور یہ چیز ابن قیم کے موقف کی تائید کرتی ہے کہ کتاب سے مراد مہ کتب ہیں جو فرشتوں کے پاس ہیں۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ جو اپنے دل کو نافرمانیوں سے پاک رکھے گا وہی قرآن کو زیادہ سمجھے گا اور جس نے اپنے دل کو گناہوں سے آلودہ کیا وہ فہم قرآن سے دور ہوگا۔ کیوں کہ جب صحائف فرشتوں کے ہاتھ میں ہوں تو ممکن نہیں کہ انھیں سوائے طاہر لوگوں کے اور کوئی چھوئے اسی طرح قرآن کے معانی۔

شیخ الاسلام نے اس آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ گناہ عدم فہم قرآن کا باعث ہیں۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿كَلَّا بَلْ سكتة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَo﴾

(المطففین: ۱۶)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''پھر بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں یقیناً داخل ہونے والے ہیں۔''

اورانھی لوگوں کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

﴿اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَo﴾ (القلم: ۱۵)

''جب اس پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔''

پس وہ اس کے معانی اور اسرار تک رسائی نہیں رکھتے کیوں کہ ان کے اعمال کے سبب ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے۔

بعض اہل علم نے ذکر کیا کہ مناسب ہے فتویٰ طلب کرنے والے کے لیے کہ وہ فتوے سے پہلے اپنے دل سے گناہوں کا اثر زائل کرنے کے لیے استغفار کرے تاکہ اس کے لیے حق واضح ہوجائے۔ان اہل علم نے اللہ کے اس فرمان سے استنباط کیا ہے۔

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًاo وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًاo﴾ (النساء: ۱۰۵۔۱۰۶)

''بے شک ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرے جو اللہ نے تجھے دکھایا ہے اور تو خیانت کرنے والوں کی خاطر جھگڑنے والا نہ بن۔اور اللہ سے بخشش مانگ، یقیناً اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

اس کا فرمان

﴿تنزیل من رب العلمین﴾

اس کا فرمان ''وانه'' کی دوسری خبر ہے اور اس کے اس فرمان کی طرح ہے:

﴿وانه لتنزیل رب العلمین﴾

اور اس فرمان کی طرح:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

﴿تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَo﴾ (فصلت: ۲۔۳)

''اس بے حد رحم والے، نہایت مہربان کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔ایسی کتاب جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں، عربی قرآن ہے، ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔''

وہ خبر مکرر ہے اس کے اس فرمان کے ساتھ: ((لقرآن))

اور تنزیل کے معنی ہیں: منزل۔ یہ اسم مفعول کے معنی میں مصدر ہے۔ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ اللہ نے اسے نبی ﷺ کے دل پر نازل کیا کیوں کہ وہی بواسطۂ جبریل حفظ اور یاد کا محل تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ o عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَo﴾ (الشعراء: ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴)

''اور بے شک یہ یقیناً رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ جسے امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے۔ تیرے دل پر، تاکہ تو ڈرانے والوں سے ہو جائے۔''

اس کا فرمان: ((من رب العلمین)) یعنی ان کا خالق۔ آیت سے درج ذیل چیزیں نکلتی ہیں:

۱۔ قرآن تمام مخلوق کے لیے نازل ہوا ہے۔ اس میں نبی ﷺ کی عمومی رسالت پر دلیل ہے۔

۲۔ ان کے پروردگار کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ جب ایسا ہے تو وہ ان کے درمیان فیصل ہے اور ان پر حاکم ہے۔

۳۔ نزول قرآن اللہ کی کمال ربوبیت ہے۔ پس جب اس آیت کی طرف اللہ کا یہ فرمان:

﴿تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَo﴾ (فصلت: ۲۔۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''اس بے حد رحم والے، نہایت مہربان کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔ایسی کتاب جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں،عربی قرآن ہے، ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔''

منسوب کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن بندوں کے لیے بھی رحمت ہے اور اللہ کی ربوبیت رحمت پر مبنی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ o﴾ (الفاتحہ: ۲،۳)

''بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔ بدلے کے دن کا مالک ہے۔''

جس چیز کا اللہ نے اپنے بندوں کو حکم دیا یا انھیں روکا۔وہ چیز بندوں پر رحمت ہے۔

۴۔ قرآن کلام الٰہی ہے۔کیوں کہ جب اللہ نے اسے نازل کیا تو وہ اس کا کلام ہے کسی غیر کا نہیں۔جیسا کہ سلف رحمہم اللہ اس کے قائل ہیں۔اور یہ غیر مخلوق ہے کیوں کہ اللہ کی تمام صفات یہاں تک کہ صفات فعلیہ مخلوق نہیں۔اور قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے اور نازل شدہ ہے۔

اعتراض: کیا ہر نازل کردہ چیز نمبر مخلوق ہے؟

جواب: ہم کہیں گے کہ نہیں، لیکن اگر ہم نازل کردہ وصف اللہ کی طرف منسوب ہو تو وہ غیر مخلوق ہے، جیسا کہ کلام، بصورتِ دیگر ایسا نہیں۔ بے شک اللہ نے آسمان سے پانی اتارا اور وہ مخلوق ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ o﴾ (الحدید: ۲۵)

''بلا شبہ یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو کو نازل کیا، تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں، اور ہم نے لوہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اتارا جس میں سخت لڑائی (کا سامان) ہے اور لوگوں کے لیے بہت سے فائدے ہیں اور تا کہ اللہ جان لے کہ کون دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا، سب پر غالب ہے۔''

اور لوہا مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ﴾ (الزمر: ٦)

''اس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا، پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا اور تمھارے لیے چوپاؤں میں سے آٹھ قسمیں (نر و مادہ) اتاریں۔ وہ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں، تین اندھیروں میں، ایک پیدائش کے بعد دوسری پیدائش میں پیدا کرتا ہے۔ یہی اللہ تمھارا رب ہے، اسی کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کس طرح پھیرے جاتے ہو۔''

اور چوپائے مخلوق ہیں۔ جب اللہ کی جانب سے کوئی صفت نازل ہو اور بذاب خود قائم نہ ہو بلکہ کسی ذات کے محتاج ہو تو وہ غیر مخلوق ہے کیوں کہ وہ اللہ کی صفات میں ہے۔

اس کا قول:

((أفبهذا الحديث أنتم مدهنون))

یہاں استفہام انکار اور ڈانٹ کے لیے ہے۔ حدیث سے مراد قرآن اور مدہن سے مراد اس سے ڈرنے والا جو اپنے قول و فعل سے اس کی مدد کرے۔

مطلب یہ ہے کہ کیا تم اس بات کو فریب دیتے ہو اور ڈرتے ہو اور چھپتے ہو؟ تمھارے لیے یہ بات مناسب نہیں بلکہ قرآن سے تعلق رکھنے والے کے لیے مناسب ہے کہ وہ حق بات کو کھلم کھلا ظاہر کرے اسے کھول کر بیان کرے اور اس کے ساتھ کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے:

﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا۝﴾ (الفرقان: ۵۲)

''پس تو کافروں کا کہنا مت مان اور اس کے ساتھ ان سے جہاد کر، بہت بڑا جہاد۔''

اس کا فرمان:

((وتجعلون رزقكم أنكم تكذبون))

اکثر مفسرین حذف مضاف کے قائل ہیں، یعنی کہا تم اپنے رزق کے لشکر کو بناتے ہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں کوئی بھی چیز بارش اور قرآن وغیرہ دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ تم اس نے نعمت عظیم کے شکر کی تکذیب کرتے ہو۔ نبی ﷺ نے اگرچہ اس کا ذکر بارش میں کیا ہے جب کہ بارش اور چیزوں پر بھی مشتمل ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت میں کوئی حذف نہیں اور معنی یہ ہیں: تم اپنے ہی شکر کی تکذیب کرتے ہو۔ اور فرمایا: شکر رزق ہے اور یہی بات صحیح ہے بلکہ یہ سب سے بڑا رزق ہے۔ شاعر کہتا ہے: جب خود پر اللہ کی نعمت کا شکر ہو جو اس کے لیے اس کی مثل ہو تو شکر واجب ہے۔ پس انتہا کا شکر اس کے فضل ہی سے ہوسکتا ہے اگر دن لمبے ہو جائیں اور عمر طویل ہو جائے۔ پس نعمت شکر کی محتاج ہے۔ جب تو اس کا شکر کرے تو یہ ایک اور نعمت ہوگی جو دوسرے شکر کی محتاج ہے۔ اگر تو دوسری بار شکر ادا کرے تو یہ نعمت تیرے شکر کی محتاج ہوگی۔ اسی طرح ہمیشہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝﴾

(النحل: ۱۸)

''اور اگر تم اللہ کی نعمت شمار کرو تو اسے شمار نہ کر پاؤ گے۔ بے شک اللہ یقیناً بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

اس کا فرمان: ((أنكم تكذبون)): ((أن)) اور نہیں داخل اس پر مصدر کی تاویل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

میں مفعول جسے تم دوسرا بناتے ہو، یعنی تم اپنے شکر ہی کو تکذیب بناتے ہو۔ اور کوئی شک نہیں کہ یہ حماقت ہے کہ انسان اپنے رب کی نعمت کا تکذیب کے ساتھ تقابل کرے۔ اگر وہ نعمت وحی ہے تو اس کی خبر کو جھٹلاتے، اس کے حکم کو نہ مانے اور اور اس کی نہی سے نہ بچے اور اگر وہ نعمت ایسی عطا ہو جس سے جسم کی پرورش ہو اور وہ اس کی نسبت غیر اللہ کی طرف کر دے۔ کہے کہ یہ ستارے کی طرف سے ہے یا میرے عمل سے ایسا ہوا ہے، جیسا کہ قارون نے کہا:

﴿قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ اَوَ لَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا وَ لَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ (القصص: ٧٨)

''اس نے کہا مجھے تو یہ ایک علم کی بنا پر دیا گیا ہے، جو میرے پاس ہے۔ اور کیا اس نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ اس سے پہلے کئی نسلیں ہلاک کر چکا ہے جو اس سے زیادہ طاقتور اور زیادہ جماعت والی تھیں اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا۔''

اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔

دوسرا: جاہلی امور میں سے چار چیزوں کا ذکر، اور وہ ہیں: نسب پر طعن، حسب پر فخر، ستاروں سے بارش طلب کرنا اور میت پر بین کرنا۔

تیسرا: اس کے بعض میں کفر کا ذکر: اور وہ ستاروں سے بارش طلب کرنا، اسی طرح نسب پر طعن، میت پر بین، جیسا کہ حدیث میں ہے: ((مسلم: ٦٨))

چوتھا: وہ کفر جو مذہب سے خارج نہیں کرتا۔ اور وہ یہ ہے کہ ستاروں سے بارش کی طلبی اس کا کچھ حصہ مذہب سے خارج کرتا ہے اور کچھ حصہ کم تر درجے کا کفر ہوتا ہے۔ اس کا بیان گزر چکا ہے۔

پانچواں: اس کا قول ((أصبح من عبادی مؤمن بی وکافر)) سبب نزول النعمة: یعنی لوگ نزول بارش کے وقت اللہ پر ایمان لا کر اور اس کے ساتھ کفر کر کے منقسم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہیں۔ اور ستارے کی طرف بارش کے نزول کی نسبت کے حکم کا بیان گزر چکا ہے۔ انسان پر واجب ہے کہ جب اس کے پاس نعمت آئے تو وہ محض اسباب کی طرف نسبت نہ کرے اللہ کو چھوڑ کر، بلکہ اعتقاد رکھے کہ اگر یہ سبب ہے تو محض سبب ہی ہے۔ مثلاً ایک شخص پانی میں ڈوبا۔ اس کے پاس ایک قوی آدمی تھا۔ وہ اترا اور اس نے اسے بچا لیا۔ پس نجات پانے والے پر واجب ہے کہ وہ خود پر اللہ کی نعمت کو معلوم کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس آدمی کو بچانے کے لیے ایک فطری اور شرعی امر کا حکم نہ دیتا تو اس شخص کا بچنا ممکن نہ ہوتا۔ پس تو اعتقاد رکھ کہ یہ محض سبب ہے۔

اگر کوئی پانی میں ڈوبے اور اللہ اس کے لیے آسانی پیدا کرے اور نکل آئے اور کہے: میرے فلاں دوست نے مجھے بچایا تو یہ شرک اکبر ہے کیوں کہ یہ نادرست سبب ہے۔ پھر اس کی طرف اس کی نسبت سے ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ اس سبب کا قائل ہے۔ بلکہ اس کا خیال ہے کہ وہ بذات خود بچانے والا ہے۔ اس کے سبب ہونے کا اعتقاد حالاں کہ وہ قبر میں پڑا آنے والا نہیں۔ اسی لیے اصحابِ اولیا پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ اللہ کو چھوڑ کر اولیا سے سوال کرتے ہیں۔ پس وہ دانستہ یا نادانستہ شرک اکبر میں پڑ جاتے ہیں۔ پھر وہ فتنے میں پڑتے ہیں۔ پس وہ اولیا کو پکارتے وقت اپنے من کی مراد پا لیتے ہیں نہ کہ اس کے ساتھ۔ کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ اولیا ان کی دعائیں قبول نہیں کرتے۔ کیوں کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍo﴾ (فاطر: ١٦)

''اگر وہ چاہے تو تمھیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے۔''

اور اس کا فرمان:

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَo﴾ (الاحقاف: ٥)

''اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو اللہ کے سوا انھیں پکارتا ہے جو قیامت کے دن تک اس کی دعا قبول نہیں کریں گے اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔''

چھٹا: اس موقع پر ایمان کا فہم: وہ یہ ہے کہ بارش کی نسبت اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کی طرف کرنا۔

ساتواں: اس موقع پر کفر کا فہم: وہ یہ ہے کہ بارش کی نسبت ستارے کی طرف کرتا۔ پس کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں ستارے کے باعث ہوا ہے یا اس سے ملتی جلتی بات کہنا۔

اٹھواں: آپ ﷺ کے اس فرمان:

((لقد صدق نوء کذا وکذا))

کا فہم: یہ آپ ﷺ کے اس قول ((مطونا بنوء کذا)) کے قریب ہے۔ کیوں کہ ستارے کی تصدیق کی تعریف کا تقاضا ہے کہ یہ بارش اس کے وعدے کے مطابق ہے پھر اس کے وعدے کی تنفیذ کے ساتھ ہے۔

نواں: عالم کا متعلم کے لیے استفہامیہ انداز سے مسئلہ نکالنا، کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((أتدمرون ماذا قال ربکم))

یہ اس لیے ہے عالم متعلم کو خبردار کرنے کے لیے سوال اٹھاتا ہے بصورت دیگر رسول ﷺ اللہ جانتے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے قول سے بے خبر تھے لیکن آپ ﷺ نے انھیں خبردار کرنے کے لیے ارادکیا اس معاملے کے لیے پس فرمایا:

''کیا تم جانتے ہو کہ تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ یہ انداز حضوریِ قلب کو واجب کرتا ہے۔''

دسواں: نوحہ کرنے والی کی وعید: یہ وعید آپ ﷺ کے اس فرمان: اگر وہ موت سے قبل توبہ نہ کرے تو روز قیامت اسے اس حال میں کھڑا کیا جائے گا کہ اس کا لباس گندھک کا اور جسم پر خارش ہوگی۔ یہ بہت بڑی وعید ہے۔

اس کا قول: باب قول اللہ تعالیٰ: ((ومن الناس.....)) مولف رحمہ اللہ اس آیت ہی کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ترجمہ بنایا۔ ممکن ہے اس ترجمے سے مراد محبت کا باب ہو۔ اعمال کی بنیاد محبت پر ہے۔ پس انسان اپنے محبّ کے لیے ہی عمل کرتا ہے۔ یا تو نفع پانے کے لیے یا ضرر سے کے لیے۔ پس جب وہ کچھ کرتا ہے تو وہ اسی لیے کرتا ہے کیوں کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے یا تو اپنی ذات کے لیے جیسے: کھانا یا اپنے غیر کے لیے، جیسے: دوا۔

اللہ کی عبادت کی بنیاد محبت ہے بلکہ یہ حقیقی عبادت ہے۔ اگر تو بغیر محبت کے اس کی عبادت کرے تو تیری عبادت ایسے جسم کی مانند ہوگی جس میں روح نہیں۔ جب انسان کے دل میں اللہ کی محبت اور اس کی جنت کی رسائی ہو تو یہ رستہ اسے ان تک پہنچائے گا۔ اسی لیے جب مشرکین نے اپنے معبدوں سے محبت کی تو انھی معبودوں کے باعث ان کی محبت یہاں تک پہنچی کہ انھوں نے ان کی عبادت اللہ سوا کی یا اللہ کے ساتھ کی۔

محبت کی دو قسمیں ہیں:

پہلی:

محبت عبادت ہے اور یہی انکسار اور تعظیم کو ضروری قرار دیتی ہے۔ محبوب کی عظمت اور اس کی تعظیم انسان کے دل کے ساتھ قائم ہونا ایسی چیز ہے جو تقاضا کرتی ہے کہ وہ اس کے حکم کو مانے اور اس کی نہی سے بچے۔ اور یہ اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ تو جس نے اللہ کے غیر کے ساتھ عبادت والی محبت کی تو وہ بڑے شرک کا ارتکاب کر کے مشرک ہوگیا۔ اور علما اس سے خاص محبت کی تعبیر کرتے رہیں۔

دوسری قسم:

محبت اپنی ذات میں عبادت نہیں۔ اس کی چند انواع ہیں:

پہلی انوع:

للہ فی اللہ محبت۔ یہ اس طرح ہے کہ اس کے لیے اللہ کی محبت کو پانے والا، یعنی اشخاص ہی سے کوئی شخص اللہ کے لیے محبوب ہو، جیسے: انبیا، رسل، صدیقین، شہدا، صالحین۔

یا اعمال میں سے، جیسے: نماز، زکوٰۃ، نیک اعمال یا اس کے علاوہ۔ یہ نوع قسم اول کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تابع ہے جو اللہ کی محبت ہے۔

نوعِ ثانی:

مہربانی اور رحمت کی محبت، جیسے: بچے، چھوٹوں، بوڑھوں اور مریضوں سے محبت۔

نوعِ ثالث:

بزرگی اور تعظیم کی محبت نہ کہ عبادت کی، جیسے: انسان کی محبت اپنے والد سے، اپنے استاد سے اور بڑے نیکوکاروں سے۔

نوع رابع:

فطری محبت، جیسے: کھانے، پینے، پہننے، سواری اور گھر سے محبت۔

ان انواع میں سب سے عظمت والی نوع پہلی ہے۔ باقی جائز اقسام ہیں۔ ہاں! اگر ان کے ساتھ تعبدی تقاضا شامل ہو جائے تو یہ بھی عبادت بن جائے گی۔ پس انسان اپنے والد سے اجلال اور تعظیم کے باعث محبت کرتا ہے۔ اگر اپنے والد کے ساتھ احسان کرنے کے باعث اس محبت کے ذریعے اللہ کے لیے عبادت کرنا شامل ہو جائے تو یہ عبادت بن جائے گی۔ اسی طرح باپ اپنے بیٹے سے شفقت کی محبت کرتا ہے۔ اگر بچے کی اصلاح کے ساتھ اللہ کے حکم کو قائم کرنے کا تقاضا شامل ہو جائے تو یہ عبادت بن جائے گی۔

اسی طرح طبعی محبت ہے، جیسے: کھانا، پینا، پہننا اور مکان۔ جب اس کے ساتھ عبادت پر امداد شامل ہو جائے تو یہ بھی عبادت بن جائے گی۔ اسی لیے نبی ﷺ کو اپنی بیویوں اور خوشبو سے محبت ہوئی اس دنیا میں۔ آپ ﷺ کو عورتوں سے محبت اس لیے ہوئی کیوں کہ ایک تو طبیعت کا تقاضا ہے۔ اور دوسرے اس میں عظیم مصلحتیں کارفرما ہیں۔ آپ ﷺ کو خوشبو سے محبت اس لیے تھی کیوں کہ یہ خوش طبعی کا باعث بنتی۔ نفی کو راحت دیتی اور سینہ کھولتی ہے۔ اسی لیے پاکیزہ چیزیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں۔ اللہ پاکیزہ چیز ہی کو قبول کرتا ہے۔

پس اگر ان چیزوں کو اپنانے کے ساتھ انسان عبادت کا قصد کر لے تو یہ عبادت بن جائے گی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ہر ایک کے لیے وہی چیز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے جس کی اس نے نیت کی۔ علما فرماتے ہیں: جس چیز کے ساتھ واجب پورا ہوتا ہے وہی واجب ہے۔ اور فرمایا: ان کے لیے وسائل مقاصد کے احکام ہیں۔ اور یہ اتفاقی امر ہے۔

مؤلف نے اس باب میں دو آیات ذکر کی ہیں:

پہلی جس کا ترجمہ ہوا وہ اسی کا قول ((ومن الناس)) ہے۔ "من" تبعیضیہ ہے اور "من" اور اس کا مجرور خبرِ مقدم ہے۔ اور "من یتخذ" مبذا مؤخر ہے۔

اس کا قول "اندادا" ند کی جمع ہے، یعنی شبیہ اور نظیر۔

اس کا قول:

"یحبونهم کحب الله"

یعنی اپنی کیفیت اور نوع میں۔ پس نوع یہ ہے کہ وہ غیر اللہ سے عبادت کی محبت کی طرح محبت کرے۔ اور کیفیت یہ ہے کہ وہ اس سے الٰہی محبت کرے جو اللہ کی محبت کی طرح ہو یا اس سے بھی سخت۔ حتی کہ بعض تو اپنے محبوب کی عظمت اور اس کے لیے اس سے بھی زیادہ غیرت کھاتے ہیں۔ جتنی اللہ کی تعظیم کی جانی چاہیے اور اس سے غیرت کھانی چاہیے۔ اگر کہا جائے: تو اللہ کی قسم اٹھا تو وہ اللہ کی قسم اٹھالے، حالاں کہ وہ جھوٹا ہے اور اسے اس کی کوئی پروا نہیں ہوگی۔ اور اگر کہا جائے: تو اللہ کے شریک کی قسم اٹھا تو وہ قسم نہیں اٹھائے گا، حالاں کہ وہ جھوٹا ہے اور یہ شریک اکبر ہے۔

اس کا قول "کحب الله" اس میں مفسرین کے دو قول ہیں:

اول:

یہ ظاہر پر ہے اور اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے، یعنی ان سے ایسے محبت کرتے ہیں جیسے ان کی محبت اللہ سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ شرکاء سے اللہ ہی کی طرح رچاتے ہیں۔ انھیں محبت میں اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ لیکن جتنی یہ اللہ سے محبت جتاتے ہیں مومنین ان سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ یہی بات درست ہے۔

ثانی:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اللہ سے محبت کی طرح کا مطلب یہ ہے کہ جو محبت مومنین سے صادر ہوتی ہے، یعنی جیسے مومنین اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ پس وہ اپنے شریکوں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی مومنین اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ اگرچہ لفظوں میں اس مطلب کا احتمال ہے، لیکن سیاق اس کا انکار کرتا ہے۔ کیوں کہ اگر مطلب اسی طرح ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے بعد والے قول سے یہ الٹ ہوتا:

((والذی اٰمنو أشد حبالله))

اللہ سے مومنین کی محبت زیادہ سخت ہے کیوں کہ یہ شرک سے پاک خالص محبت ہے۔ پس مومنین کی محبت اللہ سے ان لوگوں کی محبت سے زیادہ سخت ہے۔

اعتراض:

انسان کے ذہن میں سوال وارد ہوتا ہے کہ اللہ کے اس فرمان ((أشد حبالله)) کا اعتبار کرتے ہوئے مونین اللہ کے شرکا سے محبت کرتے ہیں۔

جواب:

لغتِ عرب میں تفصیل دو چیزوں کے درمیان چلتی ہے۔ ان میں سے ایک تمام سے خالی ہوتی ہے۔ اسی سے اللہ کا فرمان ہے:

﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا۝﴾

(الفرقان: ٢٤)

''اس دن جنت والے ٹھکانے کے اعتبار سے نہایت بہتر اور آرام گاہ کے اعتبار سے کہیں اچھے ہوں گے۔''

باوجود اس کے کہ اہل نار کے ٹھکانے میں کوئی خبر نہیں اور اللہ کا فرمان ہے:

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ءٰٓاللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝﴾ (النمل: ٥٩)

''کہہ دے سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور سلام ہے اس کے ان بندوں پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جنھیں اس نے چن لیا۔ کیا اللہ بہتر ہے، یا وہ جنھیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں؟"

دوسری طرف میں اس چیز کے موازنے کی کوئی چیز نہیں، لیکن اعتقاد کے حساب سے یہ فریق مخالف سے تخاطب کے باب میں سے ہے۔

باب محبت کے لیے آیت کی مناسب:

انسان کو منع کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی محبت کی طرح کسی سے محبت کرے کیوں کہ یہ مذہب سے خارج کرنے والا شرک اکبر ہے۔ یہ بعض بندوں اور بعض خادموں میں پایا جاتا ہے۔ پس بعض بندے بعض قبروں اور اولیا سے محبت اور ان کی تعظیم ایسی کرتے ہیں جیسی اللہ کی کرنی چاہیے یا اس سے بھی سخت۔ اسی طرح بعض خداؤں کو تو پائے گا کہ وہ اللہ سے بڑھ کر ان رؤسا کی تعظیم اور محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ قَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَ٥ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا٥﴾

(الاحزاب: ٦٧۔٦٨)

"اور کہیں گے اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تو انھوں نے ہمیں اصل راہ سے گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے رب! انھیں دوگنا عذاب دے اور ان پر لعنت کر، بہت بڑی لعنت۔"

دوسری آیت، اللہ کا فرمان ہے: ((قل ان كان ......))، ((أاباؤكم)) کان کا اسم ہے اور باقی آیت مرفوع معطوف علیہ ہے اور کان کی خبر ((أحب اليكم من الله ورسوله)) ہے اور اس کے قول ((قل)) میں خطاب رسول ﷺ سے ہے اور اس کے قول: ((أاباؤكم)) میں مخاطب ساری امت ہے۔

اس کے قول: ((فتربصبوا)) میں امر سے مراد تہدید ہے، یعنی تم اللہ کے عذاب کا انتظار کرو۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا:

﴿حتى ياتى الله بامره﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان کی ہلاکت کا جو ان آٹھ اصناف کی محبت کو اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور اس کے رستے میں جہاد پر ترجیح دیتے ہیں۔

آیت بتاتی ہے کہ ان کی محبت اگرچہ عبادت کی محبت سے بے نیاز ہے، مگر جب اسے اللہ کی محبت پر فضیلت دی جائے گی تو یہ عذاب کا باعث بنے گی۔ یہیں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انسان جب اپنے والد کے احکام کی خاطر اللہ کے ادکام کو چھوڑتا ہے تو وہ اپنے رب سے زیادہ اپنے باپ سے محبت کرتا ہے۔

پس نبی ﷺ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی محبت بڑھ گئی اور نبی ﷺ کا اقرار انبیاء فراہم کرتا ہے کہ محبت میں تبدیلی ہوجاتی ہے۔

کبھی تو کسی شخص کی بابت کچھ سنتا ہے اور تو اس سے محبت رکھتا ہے پھر تو اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ پھر تجھے پتا چلتا ہے کہ یہ جھوٹی بات تھی پھر تیری محبت اس کی طرف لوٹ آتی ہے۔

حضرت انس کی حدیث میں قول ((ووالـــده)) یہ باپ پر مشتمل ہے اور دادے اور اس کے اوپر کے رشتے پر بھی۔ اور اسی طرح ماں، نانی اور اس کے اوپر کے رشتے پر۔

اس کا قول

((والناس اجمعین))

اس میں اسے کے بھائی، اس کے چچا، ان کے بیٹے اور اس کے ساتھی اور اس کی اپنی ذات مراد ہے کیوں کہ یہ سب لوگوں میں سے ہیں۔ پس ایمان تکمیل نہیں پاتا۔ جب تک کہ رسول ﷺ سے تمام مخلوقات سے بڑھ کر محبت نہ کی جائے۔

جب محبتِ رسول ﷺ کی یہ کیفیت ہے تو محبت الٰہی کا عالم کیا ہوگا؟

دلوں کے بعید اگرچہ اللہ جانتا ہے، مگر اعضا اس کے خود گواہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جو کوئی بھید چھپائے اللہ اسے اس کے چہرے کے نقوش اور اس کی زبان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لغزشوں پر ظاہر کرے گا۔ پس اعضا دل کا آئنہ ہیں۔''

اعتراض:

محبت دل میں ہوتی ہے۔ انسان اس کی ملکیت پر قادر نہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ سے مروی ہے:

''یہ میری ان چیزوں میں تقسیم ہے جن کا میں مالک ہوں اور جو چیزیں میری ملکیت میں نہیں تو ان پر مجھے ملامت کرنا۔ اب یہ انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ جس چیز سے بغض رکھے اسی سے محبت کرنے لگے۔ یہ امکانی طور پر دو مختلف چیزوں کو جمع کرنے کی مشکلات میں سے ہے۔

جواب:

یہ ارادی شے ہے نہ کہ از خود وارد ہونے والی۔ پس انسان کی محبت کبھی کراہۃً پلٹتی ہے اور کبھی اس کے برعکس۔ یا تو ظاہری سبب سے یا سچے ارادے سے، جیسے: تو اپنے دوست سے محبت کرتا ہے اور وہ تیری چوری کرتا اور تیری حرمت کو پامال کرتا ہے۔ پس تو اس سبب سے اس سے نفرت کرے گا۔ یا سچے ارادے کے باعث، جیسے ایک آدمی سگریٹ نوشی کرتا ہے۔ پس وہ سچے ارادے والا اور پختہ فکر والا ہو جاتا ہے اور سگریٹ سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ پس اپنی اس عادت کو ختم کر دیتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے فرمایا:

((الحدیث.....))

رسول اللہ ﷺ سے محبت درج ذیل امور کی بنا پر ہوتی ہے:

اول:

وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ جب اللہ آپ کے نزدیک ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہے تو پھر اس کا رسول ﷺ بھی تمام مخلوق سے بڑھ کر آپ کو محبوب ہونا چاہیے۔

ثانی:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے اللہ کی عبادت اور اس کی تبلیغ رسالت کے لیے کردار ادا کیا۔

ثالث:

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مکارم اخلاق اور محاسن اعمال سے نوازا۔

رابع:

آپ ﷺ کی ہدایت، تعلیم اور توجہ کرنے کا باعث۔

خامس:

تبلیغ رسالت میں تکالیف پر آپ ﷺ کے صبر کرنے کی وجہ سے۔

سادس:

اعلائے کلمۂ اللہ کے لیے مال اور جان کے ساتھ آپ ﷺ کی ان تھک کوششوں کے باعث۔

اس حدیث سے ذیل میں چند چیزیں نکلتی ہیں:

۱۔ محبت نفس پر محبت رسول ﷺ کی تقدیم کا وجوب۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ پر اپنا نفس اور مال فدا کرنا کیوں کہ واجب ہے کہ تو اپنے نفس اور مال پر اس کی محبت کو آگے کرے۔

۳۔ انسان پر واجب ہے کہ وہ سنت رسول اللہ ﷺ کی مدد کرے اور اس کی خاطر اپنا نفس، مال اور ساری طاقتیں خرچ کر ڈالے۔ کیوں کہ یہ چیز رسول اللہ ﷺ کی مدد کرے اور اس کی خاطر اپنا نفس، مال اور ساری طاقتیں خرچ کر ڈالے۔ کیوں کہ یہ چیز رسول اللہ ﷺ کی محبت کے کمال میں سے ہے۔ اس لیے بعض اہل علم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان

﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ (الکوثر: ۳)

''یقیناً تیرا دشمن ہی لاولد ہے۔''

کے بارے میں کہتے ہیں، یعنی آپ ﷺ سے بغض رکھنے والے۔ انھوں نے کہا: جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بھی آپ ﷺ کی شریعت سے بغض رکھتا ہے وہ درماندہ اور بے یارومددکار ہے، اس میں کوئی خیر نہیں۔

۴۔ شفقت، اکرام اور تعظیم کے لیے محبت کا جواز، کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((أحب.....))

اصل محبت یہی ثابت ہے۔ یہ فطری امر ہے اس کا کوئی انکاری نہیں۔

۵۔ تمام لوگوں کی بات پر رسول ﷺ کی بات کو ترجیح دینا۔ کیوں کہ جس نے ہر ایک سے بڑھ آپ ﷺ کو محبت کو لازم سمجھا تو ضروری ہے کہ وہ ہر ایک کے قول پر آپ ﷺ کے قول کو مقدم جانے، یہاں تک تیرے نفس پر، جیسے: تو کسی چیز کا قائل ہے اور تو اس کی خواہش رکھتا اور اسے اپناتا ہے۔ پس تیرے پاس ایک آدمی آتا ہے اور تجھے کہتا ہے: یہ چیز رسول اللہ ﷺ کے قول کے خلاف ہے۔ پس اگر رسول ﷺ تجھے تیرے نفس سے زیادہ محبوب ہے تو تو اپنے نفس کی مدد کرنے کے بجائے رسول ﷺ کی مدد کر۔ تو رسول ﷺ کے قول کی وجہ سے اپنے نفس کو رد کر دے۔ طاعتِ رسول ﷺ کے باعث تو اپنی خواہشات کو چھوڑ دے۔ یہ محبت نفس پر آپ ﷺ کی تقدیم کا عنوان ہے۔

اسی لیے بعض نے کہا:

تو اللہ کا نافرمان ہے جب کہ اس سے محبت کا بھی دعوے دار ہے، میری عمر کی قسم! اندازے میں یہ چیز بہت انوکھی ہے، اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اس کی اطاعت کرتا کیوں کہ محبّ جس سے محبت کرتا ہے اس کی اطاعت بھی کرتا ہے۔

اس وقت اس حدیث سے جو چیز اخذ ہوتی ہے وہ تمام لوگوں کے قول حتی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ۔ ائمہ اربعہ اور ان کے بعد والوں کے قول پر رسول اللہ ﷺ کے قول کی تقدیم کا وجوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًاo﴾ (الاحزاب: ٣٦)

''اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں کہ ان کے لیے ان کے معاملے میں اختیار ہو اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو یقیناً وہ گمراہ ہو گیا، واضح گمراہ ہونا۔''

لیکن جب ہمیں ایسی حدیث ملے جو دوسری صحیح احادیث کے خلاف ہو یا اہل علم اور تمام امت کے قول کے خلاف ہو تو معاملے میں اچھی طرح غور وفکر کرنا ضروری ہے۔ کیوں کہ شندوز کا اتباع شندوز کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی لیے جب تجھے اکثر لوگوں کے عمل کے خلاف ملے یا وہ احادیث صحیحہ کی مخالفت کرتی ہو جیسے: پہاڑ اپنی جگہ پر ٹھہرے ہوئے ہیں تو تو حدیث کے قبول کرنے میں جلدی نہ کر، بلکہ تجھ پر ضروری ہے کہ تو لوٹے اور اس کی سند کی چھان پھٹک کرے۔ یہاں تک کہ معاملہ واضح ہو جائے۔ یہ قاعدہ تجھے اکثر اقوال میں فائدہ دے گا جو آخر میں ظاہر ہوں گے۔ پہلوں نے اس قاعدے کو چھوڑا اور لوگوں کے درمیان محلِ نزاع بن گئے۔ پس اس قاعدے کی اتباع واجب ہے۔ کہا جاتا ہے: اس حدیث کے لوگ کہاں ہیں؟ اگر یہ احادیث اللہ کی شریعت میں ہوتیں تو یہ منقول ہوتیں اور ان کی معلومات باقی رہتیں۔ جیسے: ذکر کیا گیا کہا انسان عید کے دن غروب شمس سے قبل طواف افاضہ نہ کر پائے وہ محرم لوٹے گا۔ اس حدیث کا ظاہر اگرچہ صحیح ہے لیکن ہے یہ ضعیف اور منفرد۔ اسی لیے یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ تابعین میں سے کسی ایک آدھ نے بھی اس پر عمل کیا ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو امت اس خلاف عمل کرتی۔ پس ان احادیث کی طرح کی احادیث ہو ان میں انسان کو تحقیق کرنی چاہیے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ان کا صحیح ہونا ممکن نہیں۔

باب کے لیے اس حدیث کی مناسبت:

اس حدیث کی مناسبت ظاہر ہے۔ کیوں کہ محبت رسول ﷺ محبت الٰہی ہے۔ اس لیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جب ایمان مکمل نہیں ہوتا یہاں تک کہ انسان اپنے نفس اور تمام لوگوں سے بڑھ رسول ﷺ کو محبوب جانے تو اللہ کی محبت تو زیادہ لائق اور برتر ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان:

((ثلاث من کن فیه))

یعنی تین خصلتیں اور ''کن'' وجدن فیہ'' کے معنی میں ہے۔''ثلاث'' کا اعراب مبتدا ہے اور اس کے ساتھ ابتدا جائز ہے۔ کیوں کہ وہ ابن مالک کے قول کی حد پر مفید ہے۔

نکرہ کے ساتھ ابتدا جائز نہیں جب تک کہ وہ فائدہ نہ دے.....

اس کا قول ((من کن فیه)) ''من'' شرطیہ اور ''کن'' کی اصل ''کان'' ہے۔ پس یہ فعل ماضی ناسخ ہو جائے گا اور نون اس کا اسم ہوگا اور ''فیہ'' اس کی خبر ہوگی۔

آپ ﷺ کا فرمان

((وجد بهن))

وَجَـــدَ: محل جزم میں فعل ماضی اور جواب شرط ہے اور جملہ فعل شرط ہے اور اس کا جواب محل رفع میں ہے اور یہ مبتدا کی خبر ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان:

((وجد بهن حلاوة الایمان))

یہاں باء سبب کے لیے ہے اور حلاوہ وجد کا مفعول ہے۔ حلاوت ایمان کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز انسان اپنے نفس اور دل میں باعث طمانیت، راحت اور کشادگی پائے۔ اس حلاوت کا مظہر لعاب یافتہ نہیں بلکہ یہاں حلاوت سے مراد قلبی حلاوت ہے۔

حدیث میں ذیل میں خصلتوں میں سے پہلی خصلت:

آپ کا فرمان:

((أن یکون.....))

رسول سے مراد محمد ﷺ ہیں اور اسی طرح تمام رسولوں سے محبت واجب ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ کا فرمان:

((أحب اليه.....))

یعنی ساری دنیا، اپنے نفس، اپنی اولاد، اپنے والد، اپنی بیوی اور ان دونوں کے سوا ہر چیز سے بڑھ اسے محبوب ہو۔

اعتراض:

حدیث میں واو کے ساتھ ((لا الله ورسوله)) کیوں آیا جبکہ ان کی خبر میں اکٹھا

((أحب ..... سواهما))

آیا ہے۔

جواب:

کیوں کہ محبت رسول ﷺ ہی محبت الٰہی ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ کا فرمان تھا:

((اشهد ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله))

یہ ایک ہی رکن تھا۔ کیوں کہ اخلاص اسی پیروی سے مکمل ہوتا ہے جو نبی ﷺ سے منقول ہے۔

دوسری خصلت:

آپ ﷺ کا فرمان:

((وأن يحب.....))

آپ ﷺ کا فرمان:

((وان يحب الموءَ))

اس میں آدمی اور عورت دونوں شامل ہیں۔

آپ ﷺ کا فرمان:

((لا يحبه الالله))

لام تعلیل کے لیے ہے، یعنی اللہ کی وجہ سے، کیوں کہ وہ اللہ عزوجل کی اطاعت ہی سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

قائم ہے۔

آدمی سے انسان کی محبت کے کثیر اسباب ہیں:

وہ اس سے دنیا، قرابت اور دوستی کے باعث محبت کرتا ہے۔ وہ اپنی بیوی سے مستفید ہونے کی وجہ سے محبت کرتا ہے۔ وہ اپنے محسن سے محبت کرتا ہے۔ لیکن جب تو اللہ کے لیے اس آدمی سے محبت کرے تو یہ ایمان کی حلاوت پائے جانے کا باعث بنے گا۔

تیسری خصلت:

آپ کا فرمان:

((وأن یکرہ أن یعود.....))

یہ صورت اس کافر کے متعلق ہے جو مسلمان ہوا ہو۔ وہ اللہ کی طرف سے کفر سے بچائے جانے کے بعد دوبارہ کفر ہی لوٹنے کو ناپسند کرتا ہے۔ اسی طرح جس طرح وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ یہ صورت اس لیے ذکر ہوئی کیوں کہ کافر اپنی پہلی روش سے کسی قدر مانوس ہوتا ہے۔ کبھی وہ اس کی طرف لوٹ بھی جاتا ہے اس شخص کے برعکس جو کفر کو بالکل نہیں جانتا۔ پس جو کفر میں لوٹنے کو اسی طرح ناپسند کرے جیسے وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے تو یہ حلاوت ایمان کے وجود کی دلیل ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان:

((لا وی روایة: لا یجدأ لد حلاوة الایمان)):

مؤلف یہ رایت لایا ہے کیوں کہ حلاوت ایمان کے وجود کا فائدہ پہلی روایت کی نسبت سے مفہوم کے اعتبار سے ہے۔ اور یہ نُطق کے اعتبار سے۔ منطوق کی دلالت مفہوم کی دلالت سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔

آپ کا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر میں

((من أحب فی الله))

''من'' شرطیہ ہے اور فعل شرط اُحب ہے اور اس کا جواب یہ جملہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

((فانما تنال.....))

ہے۔

اور ''فی''، احتمال ہے کہ یہ ظرفیہ ہو کیوں کہ اس کی اصل ظرفیت ہے۔ اور یہ سببیت کے لیے بھی ہوسکتا ہے کیوں کہ ''فی'' کبھی کبھی سببیت کے لیے آتا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کے اس فرمان:

((دخلت امرأة فی هوة))

میں ہے، یعنی بلی کے سبب سے۔

آپ کا فرمان: ((فی الله))

یعنی اس کی وجہ سے۔ جب ہم کہتے ہیں: فی سببیت کے لیے ہے یا جب ہم کہتے ہیں: یہ ظرفیت کے لیے ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس نے اللہ کی ذات میں محبت کی، یعنی اس کے دین اور شرع میں نہ کہ دنیاوی ساز وسامان کے لیے۔

آپ ﷺ کا فرمان:

((وأبغض فی الله))

بغض سے مراد کراہت ہے، یعنی اللہ کی ذات میں بغض رکھا۔ جب وہ اللہ نافرمان کو دیکھتا ہے تو اسے اس سے گھن آتی ہے۔

سببیت کے ''فی'' اور ظرفیت کے ''فی'' میں فرق ہے۔ پس سببیت اپنے حامل کو محبت یا بغض پر ابھارتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اور ظرفیت محبت اور کراہت کا مقام ہے اور وہ اللہ کی ذات میں ہے۔ پس جس سے اللہ بغض رکھے وہ اس سے بغض رکھتا اور جس سے اللہ محبت کرے وہ اس سے محبت کرتا ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان:

((ووالی فی الله))

موالات، محبت، نصرت اور ان جیسے معانی پر مشتمل ہوتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((وعادی فی الله))

معادات، موالات کی ضد ہے، یعنی وہ اللہ کی وجہ سے ان سے دور ہوتا، بغض رکھتا اور کراہت کرتا ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان:

((فانما تناول ولایة الله بذلك))

یہ جواب شرط ہے۔ یعنی انسان اللہ کی دوستی اور اس تک رسائی پالیتا ہے۔ اس لیے کہ اس نے اللہ ہی کے لیے اپنی محبت، اپنے بغض اور اپنی دوستی کو بنایا۔

اس کا قول: ((ولایۃ)) واؤ میں دو طریق جائز ہیں: فتح اور کسر، کہا جاتا ہے: دونوں کا مطلب ایک ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: فتح کے ساتھ نصرت کا معنی دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾

(الانفال: ۷۲)

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے جگہ دی اور مدد کی، یہ لوگ! ان کے بعض بعض کے دوست ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہ کی تمھارے لیے ان کی دوستی میں سے کچھ بھی نہیں، یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ دین کے بارے میں تم سے مدد مانگیں تو تم پر مدد کرنا لازم

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

ہے، مگر اس قوم کے خلاف کہ تمھارے درمیان اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہو
اور اللہ اسے جو تم کر رہے ہو، خوب دیکھنے والا ہے۔''
اور کسر کے ساتھ کسی چیز کی ولایت کے معنی دیتا ہے۔

اس کا قول: ((بذلك)): باء سببیت کے لیے اور مشار الیہ "الحب لله و البغض فيه" ہے۔ "الموالاة فيه" کے معنی "المعاداة فيه" ہیں۔ یہ اثر مرفوع کے معنی میں موقوف ہے۔ کیوں کہ جزا کی ترتیب عمل پر ہوتی ہے توقیف پر نہیں، ہاں! اگر اثر ضعیف ہو۔

حدیث کے معنی: انسان ایمان کا ذائقہ، حلاوت اور لذت نہیں پا سکتا جب تک وہ اسی طرح نہ ہو جائے اگر چہ اس کی نمازیں اور روزے کثیر ہوں۔ کیسے ایک غافل انسان.....
جو اللہ کے دشمنوں سے دوستی رکھے۔ پس وہ اللہ کے دشمنوں کو دیکھتا ہے جو اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں، کفر کرتے ہیں، اس کی صفات میں نقائص اور عیوب نکالتے ہیں، پھر وہ ان سے دوستی رکھے اور محبت کرے؟ پس ایسا بندہ اگر چہ نماز پڑھے، ساری رات قیام کرے، ساری زندگی روزے رکھے تو بھی ممکن نہیں کہ وہ ایمان کے ذائقے تک پہنچ جائے۔ پس ضروری ہے کہ تیرا دل اللہ کی دوستی اور محبت سے بھر جائے اور اللہ کے دشمنوں سے بغض اور عداوت میں بھر جائے۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کیا تو اپنے حبیب کے اعدا سے محبت رکھتا ہے اور اس سے محبت کا دعویٰ بھی کرتا ہے، ایسا ہونا ہرگز ممکن نہیں۔''

امام حمد فرماتے ہیں:

''جب میں کسی عیسائی کو دیکھتا ہوں تو اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہوں کراہت کرتے ہوئے کہ میں اپنی آنکھوں سے اللہ کے دشمنوں کو دیکھوں۔''

یہی شخص ایمان کے ذائقے کو پاتا ہے۔ اللہ پناہ! جو خیال کرتا ہے کہ یہود اور عیسائی پسندیدہ دین پر ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اللہ کے ہاں مقبول ہیں، پس وہ خارج از اسلام ہے۔ وہ اللہ کے اس فرمان:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (المائدہ: ۳)

''تم پر مردار حرام کیا گیا ہے اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے اور گلا گھٹنے والا جانور اور جسے چوٹ لگی ہو اور گرنے والا اور جسے سینگ لگا ہو اور جسے درندے نے کھایا ہو، مگر جو تم ذبح کر لو، اور جو تھانوں پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ کہ تم تیروں کے ساتھ قسمت معلوم کرو۔ یہ سراسر نافرمانی ہے۔ آج وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، تمھارے دین سے مایوس ہو گئے، تو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو، آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا، پھر جو شخص بھوک کی کسی صورت میں مجبور کر دیا جائے، اس حال میں کہ کسی گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

کو جھٹلاتا ہے۔ اور اس کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ (آل عمران: ۱۹)

''بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا، آپس میں ضد کی وجہ سے اور جو اللہ کی آیات کا انکار کرے تو بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔''

اس کا فرمان ہے:

﴿وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (آل عمران: ۸۵)

''اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں سے ہوگا۔''

اس مسئلے میں یہود، نصاریٰ اور بت پرستوں کی کثرت کی وجہ سے معاشرے پر خطرات منڈلا رہے ہیں۔ اب اکثر لوگوں کے بیچ میں مسلم اور کافر کا فرق مٹ چکا ہے۔ پتا نہیں چلتا کہ غیر مسلم اللہ کا دشمن ہے حالاں کہ وہ اس مسلم کا بھی دشمن ہے کیوں کہ اللہ کا یہ فرمان:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَا اَخْفَيْتُمْ وَمَا اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ (الممتحنہ: ۱)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ یقیناً انھوں نے اس حق سے انکار کیا جو تمھارے پاس آیا ہے، وہ رسول کو اور خود تمھیں اس لیے نکالتے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو، جو تمھارا رب ہے، اگر تم میرے راستے میں جہاد کے لیے اور میری رضا تلاش کرنے کے لیے نکلے ہو۔ تم ان کی طرف چھپا کر دوستی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں زیادہ جاننے والا ہوں جو کچھ تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرے تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔''

ہے۔ پس وہ ہمارے بھی دشمن ہیں اگرچہ بظاہر دوستی کا دم بھریں یا صداقت کا اظہار کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (المائدہ: ۵۱)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں اور تم میں سے جو انھیں دوست بنائے گا تو یقیناً وہ ان میں سے ہے، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

پس اب ہم ایک اشکال اور عظیم خطرے میں پڑ چکے ہیں، اس لیے کہ ہمیں اپنے بیٹوں اور قوم کے بیٹوں پر ڈر ہے کہ وہ کہیں ان کی طرف مائل نہ ہو جائیں اور ان سے مودت اور محبت نہ فرمانے لگیں۔ اسی باعث واجب ہے کہ تو ان شہروں سے انھیں نکال دے۔ انھی شہروں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الحدیث.....))

یہ اسی باعث ہے کہ لوگ شبہات میں نہ پڑیں اور اللہ کے دوست اور دشمن آپس میں نہ مل بیٹھیں۔

اس کا قول:

((وقد صادت .....))

اس کا قول: ((عامة)) یعنی اغلبیت۔

اس کا قول:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

((مؤاخاة الناس))

یعنی ان سے محبت اور ان کا ساتھ، یعنی لوگوں کی اکثر مودت اور ان کی مصاحبت دنیاوی کاموں میں ہوتی ہے۔ یہی بات ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور وہ ہمارے زمانے سے دور اور زمانۂ نبوت کے قریب ہیں۔ پس جب لوگ آپ کے زمانے میں بدلنے لگے تو آج لوگوں کا کیا حال ہوگا۔

پس سوائے شاذ و نادر کے لوگوں کی محبت دنیا کے معاملات کی بنیاد پر ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ وہ دنیا کے بدلے بھی اپنا دین بیچ ڈالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (الانفال: ٢٧)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو، جبکہ تم جانتے ہو۔''

جب کہ مال اور جب دنیا ہی خیانت پر ابھارتے ہیں تو پھر اس کا بدلہ بھی دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ (الانفال: ٢٨)

''اور جان لو کہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد ایک آزمائش کے سوا کچھ نہیں اور یہ کہ یقیناً اللہ، اسی کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر سے استفادہ ہوتا ہے:

قرآن کی نص سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوست ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَo﴾ (البقرہ: ۲۵۷)

''اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے، وہ انھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کے دوست باطل معبود ہیں، وہ انھیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لاتے ہیں۔ یہ لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

اور فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَo﴾ (المائدہ: ۵۵)

''تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، وہ جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ جھکنے والے ہیں۔''

پس اللہ کے دوست اس کے امر پر پورا اترتے اور اس کے دین کو قائم کرتے ہیں اور بدلے میں اللہ تعالیٰ اعانت، درستی، حفاظت اور توفیق کے ساتھ ان سے دوستی رکھتا ہے۔ اس ولایت کی میزان اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَo﴾ (یونس: ۶۳)

''وہ جو ایمان لائے اور بچا کرتے تھے۔''

شیخ الاسلام فرماتے ہیں؛

''جو متقی ہے وہ اللہ کا دوست ہے۔ گزر چکا کہ ولایت، نصرت، تائید اور اعانت کا نام ہے۔ ولایت کی دو قسمیں ہیں: اللہ کی ولایت بندے کے لیے اور بندے کی ولایت اللہ کے لیے۔ اول کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہے:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَo﴾ (البقرہ: ۲۵۷)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے، وہ انھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کے دوست باطل معبود ہیں، وہ انھیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لاتے ہیں۔ یہ لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

اور دوسری کی تائید

﴿وَ مَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۝﴾ (المائدہ: ٥٦)

''اور جو کوئی اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ان لوگوں کو دوست بنائے جو ایمان لائے ہیں تو یقیناً اللہ کا گروہ ہی وہ لوگ ہیں جو غالب ہیں۔''

اور بندے کے لیے اللہ کی ولدیت عمومیت اور خصوصیت میں تقسیم ہوتی ہے۔ پس عام ولایت تدبیر اور تصریف کے ساتھ تمام بندوں پر ولایت کو کہتے ہیں۔ اور یہ مومن، کافر اور تمام مخلوق پر مشتمل ہوتی ہے۔ پس اللہ ہی تدبیر، تصریف اور اس کے علاوہ اور چیزوں کے ساتھ اپنے بندوں کا دوست ہوتا ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَ هُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ۝﴾ (الانعام: ٦٢)

''پھر وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے، جو ان کا سچا مالک ہے، سن لو! اسی کا حکم ہے اور وہی سب حساب لینے والوں سے زیادہ جلد (حساب لینے والا) ہے۔''

اور خاص ولدیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عنایت، توفیق اور ہدایت کے ساتھ بندے کا دوست بنے۔ اور یہ مومنین کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَo﴾ (البقرہ: ۲۵۷)

''اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے، وہ انھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کے دوست باطل معبود ہیں، وہ انھیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لاتے ہیں۔ یہ لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

اور فرماتے ہیں:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَo الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَo﴾ (یونس: ۶۲، ۶۳)

''سن لو! بے شک اللہ کے دوست، ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ جو ایمان لائے اور بچا کرتے تھے۔''

اس کا قول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُo﴾ (البقرہ: ۱۶۶)

''جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی، ان لوگوں سے بالکل بے تعلق ہو جائیں گے جنھوں نے پیروی کی اور وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات بالکل منقطع ہو جائیں گے۔''

کی بابت فرماتے ہیں: اس نے کہا: مودت۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُo﴾ (البقرہ: ۱۶۶)

''جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی، ان لوگوں سے بالکل بے تعلق ہو جائیں گے جنھوں نے پیروی کی اور وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات بالکل منقطع ہو جائیں گے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

اسباب، سبب کی جمع ہے یعنی ہر وہ چیز جس کی وساطت سے کسی چیز تک رسائی حاصل کی جائے۔ اصولیوں کی اصطلاح میں: جس چیز کے وجود سے وجود اور عدم سے عدم لازم ہو۔ پس ہر وہ چیز جو کسی چیز تک پہنچادے، سبب ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ۝﴾ (الحج: ١٥)

''جو شخص یہ گمان کرتا ہو کہ اللہ دنیا اور آخرت میں کبھی اس کی مدد نہیں کرے گا تو وہ ایک رسی آسمان کی طرف لٹکائے، پھر کاٹ دے، پھر دیکھے کیا واقعی اس کی تدبیر اس چیز کو دور کر دے گی جو اسے غصہ دلاتی ہے۔''

اس لیے رسی کو سبب بتایا گیا ہے، کیوں کہ انسان اسی کے ذریعے کنویں سے پانی نکالنے تک مدد لیتا ہے۔

اس کا قول: ((قال: المودة)) بعض نے اس اثر کو ضعیف قرار دیا ہے، لیکن اس کے معنی درست ہیں۔ پس وہ تمام اسباب جن کے ساتھ مشرکین متعلق ہیں تاکہ وہ انھیں نجات دیں وہ ان سے منقطع ہو جائیں گے۔ اور اسی سے اپنے بتوں کے لیے ان کی محبت اور انھی کی تعظیم ہے۔ یہ انھیں کوئی نفع نہیں دیں گے۔ ممکن ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیات کے سیاق سے یہ اخذ کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَ لَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ۝﴾

(البقرہ: ١٦٥)

''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو غیر اللہ میں سے کچھ شریک بنا لیتے ہیں، وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ان سے اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اللہ سے محبت میں کہیں زیادہ ہیں اور کاش! وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا اس وقت کو دیکھ لیں جب وہ عذاب کو دیکھیں گے (تو جان لیں) کہ بے شک قوت سب کی سب اللہ کے لیے ہے اور یہ کہ بے شک اللہ بہت سخت عذاب والا ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُo﴾ (البقرہ: ١٦٦)

''جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی، ان لوگوں سے بالکل بے تعلق ہو جائیں گے جنھوں نے پیروی کی اور وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات بالکل منقطع ہو جائیں گے۔''

اسی لیے معلوم ہوتا ہے مودت سے مراد شرک آلود مودت ہے۔ پس انسانی مودت ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ سے مودت یا اپنے پسندیدہ اعمال اور اشخاص سے محبت۔ پس یہ نفع بخش ہے اور مراد تک پہنچاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَo﴾

(الزخرف: ٦٧)

''سب دلی دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر متقی لوگ۔''

اس میں چند مسائل ہیں:

اول: آیۂ بقرہ کی تفسیر:

اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ .....﴾ اور یہ گزر چکا ہے۔

ثانی: آیۂ برائۃ کی تفسیر:

اور وہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿قُل ان کانَ اباؤکم وأبناؤکم .....﴾ اس کی تفسیر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

گزر چکی ہے۔

ثالث:

اپنے نفس، اہل اور مال پر آپ ﷺ کی محبت کا وجوب۔ ایک نسخے میں ہے: اپنے نفس، مال اور اہل پر آپ ﷺ کی محبت کی تقدیم۔

ممکنہ درست بات: آپ ﷺ کی محبت کی تقدیم کا وجوب ایسے ہو جیسے حدیث کا تقاضا۔ اور اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان: ((علی النفس)) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تقدیم کا کلمہ ساقط ہے یا اس کی تقدیم۔ اور سابقہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اللہ تعالیٰ کا فرمان سے ماخوذ ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ (التوبة: ٢٤)

''کہہ دے اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور رہنے کے مکانات، جنھیں تم پسند کرتے ہو، تمھیں اللہ اور اس کے رسول۔''

پس اللہ تعالیٰ نے اقارب اور احوال کا ذکر کیا ہے۔

رابع:

ایمان کی نفی اسلام سے خروج پر دلالت نہیں کرتی: گزر چکا کہ محبت کیسی شے ہے۔ ہم نے اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا:

((.....الحدیث.....))

اور آپ کا فرمان ''اب'' دلالت کرتا ہے اس محبت کے پیدا ہونے پر۔ یہ ظاہری چیز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے۔اوراس میں نفی ایمان بھی ہے جو آپ ﷺ کے اس فرمان:

((لا یومن أحد کم حتی أکون.....))

میں مذکور ہو چکی۔ یہ چیز اسلام سے خروج پر دلالت نہیں کرتی کیوں کہ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان ہے؛

((ثلاث من کن فیه وجه .....))

کیوں کہ ایمان کی حلاوت اپنی اصل پر ایک زائد چیز ہے، یعنی یہ دلیل دو دلائل سے مرکب ہے۔

کسی چیز کی نفی کی تین حالتیں ہیں: اصل یہ ہے کہ وہ وجود کی نفی ہے، یہ ''بت پرست کا کوئی ایمان نہیں'' کی طرح ہے۔ پس اگر نفی وجود کے مانع سے منع کیا جائے تو وہ صحت کی نفی ہے، جیسے: ''وضو کے بغیر کوئی نماز نہیں۔'' اور اگر نفی صحت کے مانع سے منع کیا جائے تو وہ نفی کمال ہے، جیسے: کھانے کی موجودگی میں کوئی نماز نہیں۔ پس آپ ﷺ کا فرمان:

((لا یومن أحدکم))

کمال واجب کی نفی ہے نہ کہ مستحب کی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ استغائے واجب کے لیے ہی کسی چیز کی نفی کی جائے۔ جب تک مانع سے منع نہ کیا جائے۔

خاص:

انسان ایمان کی حلاوت کو کبھی پاتا ہے اور کبھی نہیں۔ یہ آپ ﷺ کے اس فرمان:

((ثلاث من کن.....))

سے لیا گیا ہے۔ یہ حلاوت سے فائدہ اٹھانے کی دلیل ہے جب ان اشیا سے فائدہ اٹھایا جائے۔

سادس:

دل کے چار اعمال ہیں جن کے باعث ہی اللہ کی دوستی مل سکتی ہے اور کوئی شخص ان کے بغیر ایمان کا ذائقہ نہیں چکھ سکتا۔ اور وہ یہ ہیں: اللہ ہی کے ہے محبت، اللہ ہی کے لیے بغض،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اللہ ہی کے لیے دوستی اور اللہ ہی کے لیے دشمنی۔ اللہ کی دوستی انھی کے باعث ملتی ہے۔ اگر انسان نمازیں پڑھے، روزے رکھے اور اللہ کے دشمنوں سے دوستی رکھے تو وہ اللہ کی دوستی کو نہیں پاسکتا۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کیا تو اپنے حبیب کے دشمنوں سے محبت رکھتا ہے جب کہ اس سے محبت کا دعویٰ بھی رکھتا ہے یہ چیز ناممکنات میں سے ہے۔''

یہ بات بچے بھی قبول نہیں کرتے کہ وہ خود سے عداوت رکھنے والوں سے دوستی رکھیں۔

آپ کا فرمان:

((لا یوجد أحد طعم الایمان الابھا))

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول:

((ولن یجد عبدطعم الایمان.....))

سے لیا گیا ہے۔

سابع:

فہم صحابی کہ عام بھائی جارہ دنیوی معاملات میں ہوتا ہے، یعنی صحابی سے مراد ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور آپ کا قول: عام مؤاخات دنیوی امور میں ہوتی ہے۔ یہ چیز آپ کے فرمانے میں تھی۔ اب ہمارے زمانے کی کیفیت کیسی ہوگی؟

ثامن:

اللہ کے اس فرمان: ((وتقطعت بھم الأسباب)) کی تفسیر: اس کی تفسیر مودت سے گئی ہے۔ جب آیت عام صیغوں پر مشتمل ہو تو صحابی کی تفسیر تفسیر بالمثال ہوتی ہے کیوں کہ کتاب وسنت کے نصوص کی تعبیر اپنے عموم پر ہوتی ہے۔ پس جب اس عموم کے افرد میں سے کسی فرد کا ذکر ہو تو اس سے مقصود تمثیل ہوتی ہے، یعنی مودت کی مثل، لیکن یہاں تک کہ دوسرے اسباب جنھیں اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ بنایا جاتا ہے، جب کہ وہ صحیح نہیں ہوتے۔ پس وہ ان سے منقطع ہو جائیں گے اور انھیں ان سے خیر نہیں ملے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تاسع:

بعض مشرکین اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں: یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَ لَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ۝﴾

(البقرہ: ١٦٥)

''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو غیر اللہ میں سے کچھ شریک بنا لیتے ہیں، وہ ان سے اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اللہ سے محبت میں کہیں زیادہ ہیں اور کاش! وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا اس وقت کو دیکھ لیں جب وہ عذاب کو دیکھیں گے (تو جان لیں) کہ بے شک قوت سب کی سب اللہ کے لیے ہے اور یہ کہ بے شک اللہ بہت سخت عذاب والا ہے۔''

سے لی گئی ہے۔ اور وہ اپنے بتوں سے شدید محبت رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿والذين اٰمنوا أشد حبا لله﴾ سے ماخوذ ہے۔ پس وہ محبت کی شدت میں مشترک ہیں۔ اور مومنین ان بت پرستوں سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔

عاشر:

جو دین سے زیادہ اپنے آٹھ قرابت داروں سے محبت رکھتا ہے اس پر وعید: یہ آٹھ قرابتیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۝﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

(التوبہ: ٢٤)

''کہہ دے اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور رہنے کے مکانات، جنھیں تم پسند کرتے ہو، تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

میں مذکور ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ((فتو بصوا)) میں وعید ہے۔ پس مؤلف نے یہاں وعید کے لیے امر کی افادیت پیدا کی ہے۔

حادی عاشر (گیارھویں):

جس نے ایسا شریک بنایا جس سے اس کی محبت اللہ کی محبت کی طرح ہے تو یہ شرک اکبر ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿یحبونھم کحب اللہ﴾ پھر آیات کے سیاق میں بیان کیا کہ یہ مشرکین بڑے شرک کے مرتکب ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ ان کے لیے عذاب ہے۔

ماقبل سے باب کی مناسب:

مؤلف باب محبت کے بعد باب خوف لائے ہیں، کیوں کہ عبادت دو چیزوں کا نام ہے: محبت اور خوف۔ پس محبت کسی حکم کو ماننا ہے اور خوف نہی سے اجتناب کو کہتے ہیں۔ اگرچہ نافرمانی چھوڑنے والا اللہ کی رسائی کا طلب گار ہو، لیکن ترکِ معصیت کے لازم میں سے ہے اور یہ بنیاد نہیں۔

اگر تو کسی سے سوال کرے کہ وہ زنا کیوں نہیں کرتا وہ کہے گا: اللہ کے خوف کے باعث۔ اگر تو کسی نمازی سے سوال کرے تو وہ کہے گا: اللہ سے اجر کے طمع میں اور اس کی محبت کے باعث۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ خائف اور مطیع دونوں عذاب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

الٰہی سے نجات اور اس کی رحمت تک رسائی کے طلب گار ہوتے ہیں۔کیا انسان کے لیے افضل بات یہ ہے کہ وہ خوف کے پہلو کو غالب رکھے یا امید کے پہلو کو۔ اس میں اختلاف ہے: کہا گیا کہ وہ خوف کے پہلو کو غالب رکھے تا کہ وہ اسے نافرمانی سے بچانے پھر اطاعت کرنے پر ابھارے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ امید کے پہلو کو غالب رکھے تا کہ وہ نیک شگون لے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نیک شگون کو پسند فرماتے تھے۔

اطاعت کرنے کے باب میں کہا گیا:

امید کے پہلو کو غالب رکھا جائے۔ پس جس پر اطاعت کرنے کا احسان کیا گیا ہے ضرور اس پر اس کی قبولیت کا احسان بھی رکھا جائے گا۔ اسی لیے بعض سلف کہتے ہیں کہ جب تجھے اللہ دعا کی توفیق دے تو اس کی قبولیت کا انتظار کر، کیوں کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝﴾ (غافر: ٦٠)

''اور تمھارے رب نے فرمایا مجھے پکارو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔ بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔''

اور نافرمانی کے فعل میں خوف کے پہلو کو غالب رکھا جائے کیوں کہ یہ ممنوع ہے۔ پھر جب وہ سزا سے خائف ہوگا تو توبہ کرے گا۔ یہ قریب ترین چیز ہے، لیکن یہ قریب کامل نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝﴾ (المؤمنون: ٦٠)

''اور وہ کہ انھوں نے جو کچھ دیا اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈرنے والے ہوتے ہیں کہ یقیناً وہ اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔''

یعنی وہ اس کی عدم قبولیت سے خائف ہیں، لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ آیت دیگر احادیث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کے برعکس ہے، جیسا کہ حدیث قدسی میں اپنے رب کے متعلق آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((.....الحدیث.....))

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حالت مرض میں امید کے پہلو کو غالب رکھا جائے اور حالت صحت میں خوف کے پہلو کو۔ پس یہ چار اقوال ہوئے۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مناسب ہے کہ اس کا خوف اور امید ایک ہی ہوں۔ ان میں سے جو کوئی غالب آئے وہ اپنے ہم نشین کو مار ڈالے، یعنی اپنی پرندے کے دو پروں کے مانند بنایا جاتا ہے اور پرندے کے دونوں پر جب برابر نہ ہوں تو وہ گر پڑتا ہے۔

اور اللہ کے خوف کے درجات ہیں۔ بعض لوگ اس کے خوف میں غلو کرتے ہیں۔ بعض کمی تو بعض اس کے خوف میں متعدل رہتے ہیں۔ خوف عدل ہے جو اللہ کے محارم کو فقط رد کرتا ہے، اگرچہ تو اسے بڑھائے۔ پس یہ تجھے اللہ کی رحمت سے مایوسی کی طرف پہنچائے گی۔ کچھ لوگ اللہ کے خوف میں کمی کرتے ہیں اس انداز سے کہ اللہ کی منع کردہ چیزوں سے وہ انھیں نہیں ہٹاتی۔

خوف کی چند اقسام ہیں:

اول: عبادت، عاجزی، تعظیم اور خضوع کا خوف۔ اسے خوف سر کہتے ہیں۔

یہ اللہ ہی کے لیے درست ہے۔ جس نے اس میں کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرایا تو وہ شرک اکبر کا مرتکب ہوا، جیسے اس کی مثال: جو بتوں اور اموات سے ڈرتا ہے یا جو انھیں اولیا خیال کرتے ہیں اور انھیں نفع دینے اور ضرر دینے پہ قادر خیال کرتے ہیں، جیسا کہ قبروں کے بعض عابدین کرتے ہیں: وہ اللہ سے زیادہ صاحب قبر سے ڈرتے ہیں۔

ثانی: فطری اور جبلی خوف یہ اپنی اصل میں مباح ہیں، کیوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝﴾ (القصص: ٢١)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

''تو وہ ڈرتا ہوا اس سے نکل پڑا، انتظار کرتا تھا، کہا اے میرے رب! مجھے ان ظالم لوگوں سے بچالے۔''

ان کے متعلق ایک اور فرمان ہے:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِo﴾

(القصص : ۳۳)

''کہا اے میرے رب! بے شک میں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کیا ہے، اس لیے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔''

لیکن اگر اسے ترک واجب یا فعل حرام پر محمول کیا جائے تو یہ حرام ہے۔ اگر وہ کسی چیز کو بطور مباح لازم قرار دے تو وہ مباح ہے، مثلاً اگر کوئی شخص غیر موثر شے سے ڈر جائے اور اسے فرضی نمازِ باجماعت ترک کرنے پر دلیل بنالے تو یہ خوف حرام ہے۔ اس پر فرض ہے کہ وہ اس سے متاثر نہ ہو۔

اگر اسے کوئی انسان فعل حرام پر خوف دلائے اور وہ اس سے ڈر جائے اور وہ طاقت نہ رکھے اس چیز کو نافذ کرنے کی جس سے اسے ڈرایا گیا تو یہ خوف حرام ہے کیوں کہ وہ اسے بلد عذر فعل حرام تک پہنچاتا ہے۔ اگر وہ آگ دیکھ کر اس سے خوف کھائے اور اس سے نجات پالے تو یہ خوف جائز ہے اور کبھی کبھی واجب بھی ہوجاتا ہے جب وہ اس کی جان بچانے کا سبب بنے۔

یہاں وہم ہے، خوف نہیں، جیسے اگر وہ کسی درخت کا سایہ ہلتے دیکھے اور اسے خوف دلانے والا دشمن گمان کر لے تو یہ کسی حوص کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس طرح ہو بلکہ ان اوہام کو پھینک دے کیوں کہ یہ بے حقیقت ہیں۔ اگر تو انھیں دور نہیں کرے گا تو یہ تجھے ہلاکت میں ڈالیں گے۔

توحید کے لیے خوف کی مناسبت:

خوف کی بعض اقسام ایسی ہیں۔ جو باعثِ شرک اور توحید کے منافی ہوتی ہیں۔ مؤلف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نے اس باب میں تین آیات ذکر کی ہیں:

پہلی جسے ترجمہ الباب بنایا گیا ہے اور وہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿انما ذلکم الشیطن یخوف أولیاؤہ﴾

((انما ذلکم)) صیغۂ حصہ ہے اور مشارٌ الیہ مشرکین سے خوف ہے۔

((ذلکم)) میں "ذا" مبتدا ہے اور ((الشیطن)) میں احتمال ہے کہ وہ مبتدا کی خبر ہو اور ((یخوف)) کا جملہ شیطان سے حال ہو۔ یہ بھی امکان ہے کہ ((الشیطن)) صفت ہو ((ذلکم)) کی یا عطفِ بیان ہو اور یخوف مبتدا کی خبر ہو اور مطلب یہ ہے: یہ ڈر شیطان ہی سے ملتا ہے جو اپنے اولیا کو ڈراتا ہے۔

اور ((یخوف)) دو مفعولوں کو نصیب دیتا ہے۔ اول محذوف ہے، اس کی تقدیر یہ ہے: تمھیں خوف دلاتا ہے اور دوسرا مفول ((اولیاء ہ)) ہے۔

''تمھیں ڈراتا ہے'' کے معنی:

ان سے تمھارے دلوں میں خوف ڈالتا ہے اور ((اولیاء ہ)) یعنی اس کے مددگار جو فحش اور برائی کی مدد کرتے ہیں، کیوں کہ شیطان اس کا حکم دیتا ہے۔ پس جو بے حیائی اور گناہ کی مدد کرے وہ شیطان کا دوست ہے۔ پھر مدد کبھی کبھی شرک میں اور توحید کے منافی چیزوں میں بھی ہوتی ہے۔ کبھی وہ مدد بڑی ہوتی ہے اور کبھی کم تر۔

اس کا قول ((یخوف اولیاء ہ)) اس سے وہ چیز ہے جو اس سے قبل کی آیت میں واقع ہوئی ہے، اس حیثیت سے کہ انھوں نے کہا:

﴿اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ ۝﴾

(آل عمران: ۱۷۳)

''وہ لوگ کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ بے شک لوگوں نے تمھارے لیے (فوج) جمع کر لی ہے، سو ان سے ڈرو، تو اس (بات) نے انھیں ایمان میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

زیادہ کر دیا اور انھوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔''

یہ اس لیے کہ وہ انھیں دین کے فرائض سے روکے اور وہ جہاد ہے۔ پس وہ انھیں اس سے ڈراتا ہے۔

اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والے دل میں حاصل ہونے والی وہ چیز ہے۔ پس شیطان اسے ڈراتا ہے تاکہ وہ اسے اس عمل سے روکے۔ اسی طرح وہ چیز جو دعوت دینے والے کے دل میں واقع ہوتی ہے۔

نتیجہ:

شیطان ہر اس کو ڈراتا ہے جو فرائض کا نگہبان ہے۔ پس جب شیطان تیرے دل میں خوف ڈال دے، تو ضروری ہے کہ تجھے علم ہو کہ کلمۂ حق کی ادائیگی وہ چیز نہیں جو موت کے قریب کر دے اور نہ ہی سکوت اور بزدلی موت سے دوری کا باعث بنتی ہے۔ پس حق کے کتنے ہی بزدل گھروں میں قتل کیے گئے۔

تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ! وہ بہادر اور بہت پیش قدمی کرنے والے تھے لیکن فوت اپنے بستر پر ہوئے۔ انسان دائم اللہ کے امر پر قائم رہتا ہے۔ پس اسے یقین باندھ لینا چاہیے کہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور جو نیکوکار ہیں۔ اور اللہ کا گروہ ہی غالب آکر رہے گا۔

اللہ کا فرمان: ((فلا تخلفوھم)) : اس میں ''لا'' ناہیہ اور ''ہا'' ضمیر ہے۔ جو اولیاء الشیطان کی طرف لوٹی ہے اور یہ بلا شک نہی تحریم ہے۔ یعنی: جن چیزوں کا میں نے تمھیں حکم دیا اور جو چیزیں تم پر واجب کیں انھیں کرو، یعنی جہاد۔ تم ان سے نہ ڈرو۔ جب اللہ انسان کے ساتھ ہوتا ہے تو اس پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا، لیکن درحقیقت ہم صدق نیت، اخلاص اور مکمل توکل کے محتاج ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ان کنتم مومنین﴾ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کے پاس وساوس ہوتے ہیں۔ جو وہ ابن آدم کے دل میں ڈالتا ہے، ان میں سے اس کے دشمنوں کا ڈر ہے۔ اکثر لوگ اس میں پڑ جاتے ہیں۔ اور یہ اللہ کے دشمنوں کا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

خوف ہے۔ پس وہ ان کے مقتول بن جاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اللہ پر توکل کرتے، ہر چیز سے پہلے اس سے ڈرتے، تو ان سے لوگ بھی ڈرتے۔ اسی لیے کہاوت میں کہا گیا ہے: جو اللہ سے ڈرے اس سے ہر چیز ڈرتی ہے اور جو غیر اللہ سے ڈرے وہ ہر چیز سے ڈرتا ہے۔

آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ شیطان اور اس کے اولیا سے خوف ایمان کے منافی ہے۔

اگر خوف شرک تک لے جائے تو وہ اصل کے منافی ہے بصورت دیگر وہ اپنے کمال کے لیے منافی ہے۔

دوسری آیت اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ((انما یعمو)) ((انما)): کلمہ مصر ہے۔ یہاں تعمیر سے مراد معنوی تعمیر ہے۔ اور یہ نماز، ذکر، قراءت قرآن اور ان جیسی چیزوں کی تعمیر ہے۔ اسی طرح حسی تعمیر حسی بنیاد ہے۔ بے شک اس کی تعمیر ایک حقیقت ہے جو انھی کے ساتھ ہے جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

کیوں کہ جو اس کی تعمیر کرتا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تو وہ حقیقۃً اس کی تعمیر نہیں کرتا کیوں کہ اس کی تعمیر سے کوئی فائدہ نہیں۔ پس حسی اور ایمان رکھتے ہیں۔ اسی لیے جب مشرکین نے مسجد حرام کی تعمیر پر فخر کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ((الأیة))

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عزت افزائی کے لیے اپنی ذات کی طرف مساجد کی نسبت کی کیوں کہ اس کی عبادت کا مقام جو یہ ہے۔

اللہ کا فرمان: ﴿من اٰمن بالله﴾: ((من)): فاعل ہے ''یعمر'' کا اور ایمان باللہ چار چیزوں پر مشتمل ہے اور وہ یہ ہیں:

ایمان اپنے وجود کے ساتھ

ربوبیت

الوہیت

اس کے نام اور اس کی صفات۔

یوم آخر سے مراد روز قیامت ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی دن نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانے میں موت کے بعد کی ہر چیز م جیسے فتنۂ قبر، اس کا عذاب اور اس کی نعمتیں، داخل ہے، جس کی نبی ﷺ نے خبر دی۔ کیوں کہ درحقیقت جب انسان مر جاتا ہے تو اس کی قیامت قائم ہوجاتی ہے اور وہ دارالجزا کو پہنچ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اور یوم آخرت پر ایمان لانے کو اکثر مقامات پر اکٹھا کیا ہے کیوں کہ یوم آخرت پر ایمان ہی انسان کو اطاعت پر ابھارتا ہے۔ پس جب وہ ایمان رکھتا ہے کہ وہاں دوبارہ اٹھنا ہوگا اور جزا بھی ملے گی تو یہ چیز اسے اس دن کے لیے عمل پر مجبور کرتی ہے، لیکن جو روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتا وہ بے عمل ٹھہرتا ہے۔ جب وہ اس پر ایمان ہی نہیں رکھتا تو وہ کسی چیز کے لیے کیسے عمل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ((وأقام الصلوٰة)): یعنی اسے اٹل بنیادوں پر کھڑا کیا کہ اس میں کوئی نقص نہیں۔

اقامت دو قسم کی ہے:

واجبی اقامت: وہ یہ ہے کہ شروط، ارکان اور واجبات میں سے فعل واجب پر اکتفا کیا جائے۔

مستحب اقامت: وہ یہ ہے کہ جو اس میں فعل واجب پر بڑھاتا ہے، پس وہ واجب اور مستحب لاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ((وء اتی الزکوة)): ((ء اتی)) دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے: اول زکوۃ ہے اور ثانی محذوف ہے، جس کی تقدیر یہ ہے: اس کے مستحق کو۔

زکوٰۃ: وہ مال جسے شارع نے زکوۃ کے احوال میں واجب قرار دیا اور اللہ کی حکمت کے تقاضوں کے حساب سے اس زکوٰۃ کے اندازے مختلف ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ((ولم یخش الا لله)): اس آیت میں اثبات اور نفی کا طریق محصور ہے۔ ((ولم یخش)) نفی ہے۔ ((الا الله)) اثبات ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خشیت قسم ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوف کی، لیکن اس سے خاص ہے۔ ان دونوں کے بیچ میں فرق ہے:

۱۔ خشیت علم رکھتے ہوئے مخشی اور اس کی حالت سے ہوتی ہے، کیوں کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ۝﴾ (الفاطر: ۲۸)

''اور کچھ لوگوں اور جانوروں اور چوپاؤں میں سے بھی ہیں جن کے رنگ اسی طرح مختلف ہیں، اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف جاننے والے ہی ڈرتے ہیں، بے شک اللہ سب پر غالب، بے حد بخشنے والا ہے۔''

اور خوف کبھی کبھی جاہل سے بھی ہوتا ہے۔

۲۔ خشیت مخشی کی عظمت کے سبب سے ہوتی ہے بخلاف خوف کے۔ وہ خائف کی کمزوری کے باعث ہوتا ہے نہ کہ جس سے ڈرا جائے اس کی قوت سے۔

اس اللہ تعالیٰ کا فرمان: ((الاٰیة)): ابن عباس فرماتے ہیں: امید ہے اللہ کی طرف سے ضروری ہو۔ یہاں امید کا لفظ لایا گیا ہے تا کہ انسا نخوف کا شکار نہ ہوجائے کہ اسے یہ وصف حاصل ہوگیا ہے۔ یہ اللہ کے فرمان کی طرح ہے:

﴿فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا۝﴾

(النساء: ۹۹)

''تو یہ لوگ، اللہ قریب ہے کہ انھیں معاف کر دے اور اللہ ہمیشہ سے بے حد معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔''

پس اللہ کسی نفس کو اتنی ہی تکلیف دیتا ہے جتنی اس کی طاقت ہوتی ہے۔ پس جو لوگ وسیلہ نہیں پاتے یا رستے سے بے خبر ہیں وہ قابل معافی ہیں۔

آیت سے گواہی: اللہ کا فرمان: ((ولم یخش الا الله)) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَo﴾ (المائدہ: ٤٤)

''بے شک ہم نے تورات اتاری، جس میں ہدایت اور روشنی تھی، اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے انبیاء جو فرماں بردار تھے، ان لوگوں کے لیے جو یہودی بنے اور رب والے اور علماء، اس لیے کہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے اور وہ اس پر گواہ تھے۔ تو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہ لو اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔''

ایمان کی سچائی کی علامت یہ ہے کہ ہر قول وفعل میں اللہ ہی سے ڈرا جائے۔ جو اس مسافت کی تصحیح کا ارادہ کرے اسے آپ ﷺ کے اس فرمان پر غور کرنا چاہیے:

((الحدیث))

تیسری آیت اللہ کا فرمان: ((ومن الناس)) جار اور مجرور مقدم خبر ہے اور ((من)) تبعیضیہ ہے۔

اللہ کا فرمان: ((من یقول)): ((من)) مبتدا مؤخر ہے۔ ان سے مراد: جن کے دل کے قرار تک ایمان نہیں پہنچا۔ پس وہ کہتا ہے: ہم اللہ پر ایمان لائے، لیکن ایمان کنارے پر ہے، جیسے اللہ کا فرمان:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُo﴾ (الحج: ١١)

''اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے، پھر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اگر اسے کوئی بھلائی پہنچ جائے تو اس کے ساتھ مطمئن ہوجاتا ہے اور اگر اسے کوئی آزمائش آ پہنچے تو اپنے منہ پر الٹا پھر جاتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا، یہی تو صریح خسارہ ہے۔''

((علیٰ حرف)) ،یعنی طرف پر۔ جب اللہ تقدیر میں لکھے اس کے دشمنوں کی طرف سے ایذا پہنچنے کے باعث اسے امتحان میں ڈالتا ہے تو وہ لوگوں کی اس آزمائش کو اللہ کے عذاب کی طرح بنا دیتا ہے۔ اللہ کا فرمان:

﴿فاذا أوذی فی الله﴾:

((فی)) سببیت کے لیے ہے، یعنی اللہ پر ایمان لانے اور اس کے دین کی اقامت کے باعث۔ یہ بھی جائز ہے کہ ((فی)) ظرفیت کے لیے ہو تقدیر پر:

﴿فاذا أوذی فی شوع الله﴾

یعنی اس شرع کے باعث تکلیف جس کے ساتھ وہ مضبوطی سے چمٹا ہوا ہے۔

اللہ کا فرمان:

﴿جعل فتنة الناس﴾

((جعل)): میّر کے معنی میں ہے۔ فتنے سے مراد ایذا ہے، فتنہ نام اس لیے رکھا گیا کہ اس کے باعث انسان کی آزمائش ہوتی ہے اور اسے اللہ کی راہ سے روکا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ﴾ (البیروج: ۱۰)

''یقیناً وہ لوگ جنھوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آزمائش میں ڈالا، پھر انھوں نے توبہ نہیں کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔''

اور لوگوں کی طرف فتنے کی اضافت اپنے فاعل کی طرف مصدر کی اضافت ہے۔ اللہ کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

فرمان: ((کعذاب الله)): یہ معلوم ہے کہ انسان اللہ کے عذاب سے بھاگتا ہے۔

پس وہ اس کے امر کے مطابق ہے۔ پس یہ لوگوں کے فتنے کو اللہ کے عذاب کی طرح بناتا ہے۔ پس وہ ان کی خواہشات اور ان کے امر کی موافقت سے ان کی ایذا سے بچتا ہے اور اس فتنے کو ایذا کو اللہ کے عذاب کی طرح بنا دیا اور ان کے امر کی موافقت سے اس سے بھاگ گیا۔ پس آیت ترجمے کے موافق ہے۔

اس آیت میں عظیم حکمت ہے۔ اور یہ بندے کے لیے اللہ کی ابتدا ہے ان کے ایمان کی پرکھ کے باعث۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

اول:

جس چیز کو اللہ خود بندے پر تقدیر بنا دے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ (الحج: ۱۱)

''اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے، پھر اگر اسے کوئی بھلائی پہنچ جائے تو اس کے ساتھ مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اسے کوئی آزمائش آ پہنچے تو اپنے منہ پر الٹا پھر جاتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا، یہی تو صریح خسارہ ہے۔''

اور اس کا فرمان:

﴿وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ (البقرہ: ۱۵۵، ۱۵۶)

''اور یقیناً ہم تمھیں خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی میں سے کسی نہ کسی چیز کے ساتھ ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

دے دے۔ وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں بے شک ہم اللہ کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔''

ثانی:

بطور امتحان اور آزمائش جس ایذا کو اللہ تعالیٰ بندے کی تقدیر بنا دے۔ یہ اسی آیت کی طرح ہے جس کا ذکر مؤلف نے کیا ہے۔

بعض لوگ مصائب پر صبر نہیں کرتے اور کفر اختیار کرتے اور کبھی دائرۂ دین سے پھر جاتے ہیں۔ (نعوذ باللہ) اور کبھی اس چیز کے ساتھ کفر کرتا ہے جس میں اللہ کا امر مخالف ہو اس مصیبت میں اس کے موقف میں۔ ان مصائب کے باعث اکثر لوگوں کا ایمان بہت ناقص ہوجاتا ہے۔ پس ایک مسلمان کو بچنا چاہیے۔ اللہ حکیم ہے، اپنے بندوں کا امتحان ایسی چیز کے ساتھ لیتا ہے جس میں ان کا ایمان پختہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَ اَخْبَارَكُمْ۝﴾ (محمد: ۳۱)

''اور ہم ضرور ہی تمھیں آزمائیں گے، یہاں تک کہ تم میں سے جہاد کرنے والوں کو اور صبر کرنے والوں کو جان لیں اور تمھارے حالات جانچ لیں۔''

اس کا قول: ((الآیة)): یعنی آیت کے آخر تک اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ((الآیة))

وہ دعویٰ کرتے تھے کہ انھیں ایمان کے سبب ہی ایذا ملتی ہے۔ جب مسلمان فتح پا لیتے تو کہتے: ہم تمھارے ساتھ ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ جو مالِ غنیمت وغیرہ تمھیں ملا ہے وہ ہمیں بھی ملے۔

اللہ کا فرمان: ((الاٰیة)) اس سیاق کے مثل ہی کیا گیا ہے: واو عاطفہ ہے جو محذوف پر مقدر ہے سیاق کے تقاضا کرنے کے اعتبار سے۔

اس کا فرمان: ((اعلم)) فتحہ کے ساتھ مجرور ہے کیوں کہ وصفیت اور وزن فعل کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

لیے صرف سے ممنوع ہے۔

دونوں جہانوں کے دلوں کی ہر بات اللہ جانتا ہے۔ یعنی سب کے دلوں میں جو کچھ ہے۔ پس اللہ تیرے دل کی ہر بات تجھ سے زیادہ جانتا ہے اور تیرے غیر کے نفس میں جو کچھ ہے اس سے خوب باخبر ہے اس لیے کہ اللہ کا علم عام ہے۔

اور ((أعلم)) کا کلمہ اسم تفضیل ہے۔ بعض مفسرین خصوصاً ان میں متاخرین کہتے ہیں کہ ((أعلم)) عالم کے معنی میں ہے اور یہ خالق اور مخلوق کے مابین تفضیل کے وقع سے فرار ہے۔ جس تفسیر کی طرف یہ گئے ہیں یہ لفظ ہی کے خلاف ہے۔ اس میں معنی کا بگاڑ ہے، کیوں کہ جب تو کہتا ہے: اعلم، عالم کے معنی میں ہے تو عالم کا کلمہ انسان اور اللہ دونوں کے لیے ہوتا ہے اور یہ تفاضل پر دلالت نہیں کرتا۔ پس اللہ بھی عالم اور انسان بھی عالم۔

تحریف لفظی تو ظاہر ہے اس حیثیت سے کہ انھوں نے اسم تفضیل کو بدل دیا جو ثبوت معنی پر دلالت کرتا ہے اور اسم فاعل کی زیادتی اس پر دلالات نہیں کرتی۔

درست بات یہ ہے کہ ((أعلم)) اپنے باب پر ہے اور یہ اسم تفضیل ہے اور جب اسم تفضیل ہو تو یہ علم خالق اور مخلوق کے عدم موافقت پر واضح دلالت کرتا ہے اور بے شک خالق کا علم زیادہ کامل ہے۔

اللہ کا فرمان: ((بما فی صدور العلمین)): عالمین سے مراد: جو چیز اللہ کے سوا ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے خالق کے راستے کا نشان ہے۔ پس تمام مخلوقات اللہ کے کمال، اس کی قدرت اور اس کی ربوبیت کا پتا دیتی ہیں۔

آیت کے عموم سے اللہ تعالیٰ تیرے نفس کے بارے میں تجھے اور تیرے غیر سے زیادہ جانتا ہے۔

آیت میں اس بات سے ڈانٹ ہے جو انسان اپنے دل کے خلاف کیے۔ اسی لیے جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک میں پیچھے رہے تو انھوں نے واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: مجھے ٹھوس چیز ملی ہے۔ اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر دنیاوی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بادشاہوں کے پاس بیٹھتا تو ان سے عذر کے ساتھ نکلتا، لیکن میں ایسی چیز نہیں کہوں گا جس میں میرا کوئی عذر ہو، اللہ تعالیٰ اس میں مجھے رسوا کرے گا۔

آیت سے گواہی: ((الاٰیة)) پس وہ لوگوں سے ایسے ڈرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ سے

اس کا قول: حدیث ابوسعید رضی اللہ عنہ میں:

((ان من ضعف الیقین))

''من'' تبعیض کے لیے ہے۔ ضعف قوت کی ضد ہے۔ کہا جاتا ہے: ضاد کی فتح کے ساتھ ضعف اور ضاد کی ضم کے ساتھ، دونوں ہم معنی ہیں، یعنی۔ یقین کی کم زوری کی علامت سے۔

اس کا قول: ((ان ترضی الناس بسخط الله): (أن ترضی)): ان کا اسم مؤخر ہے اور ((من ضعف الیقین)): خبر اس کی مقدم اور القدیر یہ ہے: لوگوں کا اللہ کو ناراض کرتے ہوئے راضی کرنا یقین کی کم زوری ہے۔

اس کا قول: ((بسخط الله)): باء عوض کے لیے ہے، یعنی تو لوگوں کو راضی کرنے کے عوض میں اللہ کی ناراضی کا ارتکاب کرتا ہے۔ پس تو ایک کو دوسرے کے عوض میں تبدیل کرتا ہے۔ یہ یقین کی کمزوری ہے۔

یقین اعلیٰ درجے کا ایمان ہے۔ اس سے مراد علم ہے۔ جیسا کہ تو کہتا ہے: مجھے اس چیز کا یقین ہوگیا، یعنی مجھے اس کا یقینی علم ہوگیا کہ اس میں شک کی گنجائش نہیں۔ پس یقین کی کمزوری یہ ہے کہ تو اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کرے۔ اس وقت تو اللہ سے زیادہ بندوں سے ڈرا۔ اسلامی امت کو آج یہی ابتلا درپیش ہے۔ پس تو انسان کو پاتا ہے کہ وہ ایک شخص کے پاس آتا ہے اور اس کی تعریفیں کرنے لگتا ہے۔ حالاں کہ وہ اس مدح کے لائق نہیں ہوتا اور وہ اس کے عیوب واضح نہیں کرتا۔ یہ نفاق ہے اور نصیحت اور محبت نہیں، بلکہ نصیحت یہ ہے کہ تو اس کے عیوب واضح کرے تاکہ وہ ان کی تلافی کرے اور ان سے احتراز برتے۔ ضروری ہے کہ قوی بنانے کے لیے تو اس کی تعریفوں کا تذکرہ کرے، اس وقت جب وہ ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سے غرور میں مبتلا نہ ہو۔

اس کا قول: ((وأن نحمد هم على رزق الله)): الحمد: محبت اور تعظیم سے کمال کے ساتھ محمود کا وصف، لیکن یہاں محبت اور تعظیم کی شرط نہیں، کیوں کہ یہ مدح کو شامل ہے۔

اور ((رزق الله)): اللہ کی عطا، یعنی جب وہ تجھے کوئی چیز دیں تو تو ان کی تعریف کر اور مسبب جو کہ اللہ ہے، اسے بھول جائے۔ مطلب یہ ہے کہ تو ساری حمد کو ان کے لیے ایسی بنا کہ وہ مسبب کو بھول جائے جو کہ اللہ تعالیٰ ہے، جس نے تجھے فقط سبب دیا۔ اور دینے والا اللہ ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

((الحدیث))

اگر تیرے دل میں یہ ہو کہ اللہ ہی نے یہ رزق پہنچا کر تجھ پر احسان کیا ہے پھر تو دینے والا کا شکر کرے تو یہ حدیث میں داخل نہیں، بلکہ یہ عین شرعی بات ہے کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((الحدیث))

اس وقت حدیث ہ اعتبار سے اپنے ظاہر پر نہیں ہے۔ پس حمد سے مراد: تو ان کی ایسی مطلق تعریف کرے جو سبب کو بھول جائے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ یقین کی کمزوری ہے۔ گویا تو منعم حقیقی کو بھول گیا اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کے پاس پہلی نعمت ہے وہ بھی احمق ہے کیوں کہ درحقیقت وہ ذات جس نے تجھے دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ پس جس بشر نے تجھے یہ رزق دیا۔ اس نے اس عطا کو تخلیق نہیں کیا۔ پس اس کے ہاتھ میں جو ہے اسے اللہ نے پیدا کیا۔ اسی نے اس کا دل نرم کیا حتی کہ اس نے تجھے دیا۔ کیا تو نے دیکھا کہ اگر انسان کا بچہ ہو اور وہ اسے ہزار درہم دے اور اس سے کہے: اے فلاں کو دے آ۔ پس وہ شخص درہم لے اور اس کے باپ کی تعریف کرے۔ کیوں کہ وہ اگر فقط بچے کی تعریف کرے گا تو اسے حماقت جانے گا کیوں کہ بچہ تو صرف پیسے دے کر بھیجا گیا ہے۔ اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں: جب تو ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی تعریف کرے۔ اس حمد اور ثنا کو بھلا کر جسے اللہ پسند فرماتا ہے تو یہ یقین کا ضُعف ہوگا۔ اگر تو انھیں ایک سبب جان کر ان کی تعریف کرے۔ بے شک تمام تعریفیں اللہ عزوجل ہی کے لیے ہیں۔ تو یہ حق بات ہے اور یہ یقین کا ضعف نہیں۔

اس کا قول:

((وأن تذمهم على ما لم يؤتك الله)):

یہ پہلے کے برعکس ہے، جیسے: اگر کوئی انسان کسی شخص کے پاس دراہم کی تقسیم کے لیے آئے اور وہ اسے نہ دے، پس وہ اسے سب وشتم کا نشانہ بنائے۔ تو یہ خطا ہوگی، کیوں کہ اللہ نے جو چاہا ہوا اور جو نہیں چاہا، نہیں ہوا۔ لیکن جو خود پر فرض شدہ چیز میں کمی کر دے تو اس کی مذمت کی جائے گی کیوں کہ اس نے واجب میں کمی کی نہ کہ اس باعث کہ اس نے نہیں دیا۔ پس تقدیری حیثیت سے اس کی مذمت نہیں کی جائے گی، کیوں کہ اللہ اگر اسے تقدیر بناتا تو تو ان اسباب کو پاتا جو تجھے اس عطا تک پہنچاتے۔

آپ ﷺ کا فرمان: ((مالم يؤتك)): اس کے جزم کی علامت یاء کا حذف ہونا اور مفعولِ ثانی محذوف ہے کیوں کہ وہ زائد چیز ہے اور تقدیر یہ ہوگی: مالم يؤتكم

آپ ﷺ کا فرمان:

((الحديث))

یہ تعلیل ہے کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان:

((أن تحمد هم وأن تذمهم))

اور

((رزق الله)

اس کی عطا، لیکن حریص کا حرص اپنے سبب سے بے شک ہوتا ہے۔ جب وہ رزق تلاش کرے اور اسباب بنائے تو یہ اسباب کا فعل ہوتا ہے جو رزق کے وجوب کا باعث بنتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ سبب مستقل موجب ہے۔ رازق تو اللہ تعالیٰ ہے۔ کتنے ہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

انسان رزق کے لیے کثیر اسباب بناتے ہیں جب کہ انھیں رزق نہیں ملتا اور کتنے ہی انسان کم اسباب بناتے ہیں اور انھیں رزق مل جاتا ہے۔ اور کتنے ہی انسانوں کو بنا کوشش کے رزق ملتا ہے، جیسے اگر کوئی شخص زمین میں چھپے خزانے کو پالے یا اس کے پاس کوئی مالدار شخص فوت ہو اور وہ اسے اپنا وارث بنا جائے یا اس طرح کے اور اسباب پیدا ہو جائیں۔

آپ ﷺ کا فرمان:

((ولا یردہ کراهیة کارہ))

یعنی جب اللہ کا رزق انسان کے مقدر میں لکھ دیا جائے تو پھر کسی ناپسندیدہ کار کی ناپسندیدگی اس رزق سے منع نہیں کر پائے گی۔ کتنے ہی کسی انسان سے حسد کرتے ہیں اور وہ اللہ کے رزق کے آگے رکاوٹ بنتے ہیں مگر اس تک کوئی راہ نہیں پاتے۔

آپ ﷺ کا فرمان: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں:

((الحدیث))

''التمس'': طلب کے معنی میں ہے۔ اسی سے لیلۃ القدر میں آپ ﷺ کا فرمان ہے:

(أئتمسو ها فی العشر))

آپ ﷺ کا فرمان: ((رضـــا الــلـــه)): یعنی اس کی رضا کے اسباب، اور آپ ﷺ کا فرمان: ((بسـخط الناس)): باءعوض کے لیے ہے، یعنی: اس نے وہ چیز طلب کی جس سے اللہ راضی ہوتا ہے اگرچہ اس رضا کے بدلے میں لوگ اس سے ناراض ہوں۔ جوابِ شرط یہ ہے:

((رضی الله عنه و أرضی عنه الناس))

آپ ﷺ کا فرمان:

((الحدیث))

یہ ظاہر ہے۔ جب بندہ سچی نیت سے اپنے رب کی رضا طلب کرتا ہے تو وہ اس سے راضی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنے بندے کی بہت تکریم کرتا ہے اور لوگوں میں سب سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

زیادہ اس سے راضی ہوتا ہے۔ یہی چیز لوگوں کے دل میں اس بندے کی محبت اور اس کی رضا ڈالتی ہے، اس لیے کہ دل رحمان کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ انھیں جیسے چاہے پلٹا دے۔

آپ ﷺ کا فرمان:

((الحدیث))

التمس: طلب، یعنی اس نے وہ چیز طلب کی جس سے لوگ راضی ہوتے ہیں اگرچہ اللہ ناراض ہی ہو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے قصد کے الٹ عمل کرتا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

((الحدیث))

یعنی وہ لوگوں کے دلوں میں اس بندے کی ناراضی اور ناپسندگی ڈال دیتا ہے۔

برائے ترجمہ کی حدیث کی مناسب:

آپ ﷺ کا فرمان:

((الحدیث))

یعنی ان سے ڈرتے ہوئے تاکہ وہ اس سے راضی ہوجائیں۔ پس اس نے ان کے خوف کو اللہ کے خوف پر ترجیح دی۔

حدیث سے درج ذیل چیزیں نکلتی ہیں:

۱۔ اگرچہ لوگ ناراض ہوں مگر اللہ کی رضا کی طلب واجب ہے، کیوں کہ نفع نقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

۲۔ لوگ بھلے کوئی ہوں، انھیں راضی کرنے کی وجہ سے اللہ کی ناراضی کو طلب کرنا جائز نہیں۔

۳۔ حقیقی انداز میں اللہ کی رضا اور ناراض کا اثبات، لیکن مخلوق کی مماثلت کے بغیر کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوریٰ: ۱۱)

''(وہ) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اس نے تمھارے لیے تمھارے نفسوں سے جوڑے بنائے اور جانوروں سے بھی جوڑے۔ وہ تمھیں اس (جہاں) میں پھیلاتا ہے، اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ اہل تعطیل نے اس حقیقت کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: غضب طلب انتقام کے لیے دل کی دھڑکن کو بڑھاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں۔ یہ بات نادرست ہے، کیوں کہ انھوں نے اللہ کی ناراضی یا غضب کو مخلوق کے غضب کے ساتھ ملا دیا۔ ہم دو چیزوں کے ساتھ ان کا رد کرتے ہیں: منع کے ساتھ پھر نقص کے ساتھ۔

منع:

ہم مخلوق کے غضب کی طرح غضب کے معنی کو اللہ کی طرف نسبت کرنے سے منع کرتے ہیں۔

نقص:

ہم اشاعرہ سے کہتے ہیں: ہم نے اللہ کے لیے ارادہ ثابت کیا اور یہ جلبِ منفعت یا دفعِ حضرت کی طرف نفس کا میلان ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کے یہ شایان نہیں، جب وہ کہتے ہیں: یہ مخلوق کا ارادہ ہے، تو ہم کہتے ہیں: جس غضب کا تم نے ذکر یا وہ مخلوق کا غضب ہے۔ ہر انسان ظاہری نصوص کو عقلی اندازوں سے باطل کرتا ہے۔ یہ اندازے بعض وجوہ سے باطل ہیں:

اول:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یہ نصوص کی دلالت کو باطل کرتی ہے اور یہ تقاضا کرتی ہے کہ یہ حق ہے اور مدلول النص باطل ہے۔ جب کہ ناممکن ہے۔

ثانی:

یہ بغیر علم کے اللہ پر بہتان ہے، کیوں کہ جو ظاہری نص کو باطل کرتا ہے وہ اسے ایک اور معنی کی طرح پلٹاتا ہے۔ پس اس کے لیے کہا جائے گا: کس نے تجھے خبر دی کہ ظاہری نقص کے علاوہ اللہ تعالیٰ یہی معنی کا ارادہ رکھتا تھا؟ پس اس بارے میں تو اللہ پر نفی میں کہتا ہے اور ظاہری نفی میں اثبات اور اس چیز کے اثبات میں جس پر کوئی دلیل نہیں۔

ثالث:

اس میں نصوص پر اتہام ہے اس حیثیت سے کہ اس نے اعتقاد رکھا کہ یہ تشبیہ پر دلالت کرتے ہیں اس لیے کہ اس نے اسی سبب سے معطل کیا۔ پس کتاب اللہ اور سنت رسول سے اس کا فہم کفر یا ضلالت بنتا ہے۔

رابع:

اس میں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ہدایت یافتہ خلفا کے بارے میں طعن ہے کیوں کہ ہم کہتے ہیں: تم نے نصوص کو جن معانی کی طرف پھیرا ہے کیا رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے خلاف ان سے باخبر تھے یا نہیں؟

اگر وہ کہتے ہیں: وہ بے خبر تھے تو انھوں نے ان پر غلطی کی تہمت لگائی اور اگر کہتے ہیں: وہ جانتے تھے مگر انھوں نے بیان نہیں کیا تو پھر انھوں نے ان پر گناہ کا اتہام لگایا۔ تو اس نص سے وحشت محسوس نہ کر جو ایسی صفت پر دلالت کرے جو اسے ثابت کرے۔ لیکن دو چیزوں سے تیرا بچنا ضروری ہے۔

مثال دینا اور کیفیت بیان کرنا:

کیوں کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(النحل: ٧٤)

''پس اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو۔ بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

اور اسی کا فرمان ہے:

﴿وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۝﴾ (الاسراء: ٣٦)

''اور اس چیز کا پیچھا نہ کر جس کا تجھے کوئی علم نہیں۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل، ان میں سے ہر ایک، اس کے متعلق سوال ہوگا۔''

جب اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لیے چہرہ اور دو ہاتھ ثابت کرتا ہے تو تو اس کے اثبات سے وحشت محسوس نہ کر، کیوں کہ جس نے اس کی بابت اپنے بارے میں خبر دی وہ خود کو نمبر سے زیادہ جانتا ہے اور وہ اپنی بات میں سب سے زیادہ سچا اور احسن ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے لیے ہدایت کا ارادہ کرتا ہے۔ اور جب اس کا رسول ﷺ اس کے لیے یہ ثابت کرے تو اس کے وجود سے بھی تو وحشت محسوس نہ کر کیوں کہ وہ:

١۔ وہ مخلوق میں سب سے زیادہ سچا ہے۔

٢۔ جو یہ اللہ کے بارے میں کہتے وہ ان سے زیادہ جانتا ہے۔

٣۔ وہ ان سے نطق اور فصاحت کے اعتبار سے زیادہ بلیغ ہے۔

٤۔ وہ مخلوق کے لیے مخلوق کا سب سے زیادہ خیر خواہ ہے۔

پس جس نے اس صفت کا انکار کیا جو اللہ نے اپنے لیے ثابت کی یا اس کے رسول ﷺ نے اس کے لیے ثابت کی اور کہے: اس سے جسم کانپتے اور دل ان کا انکار کرتے ہیں تو کہا جائے گا: اس چیز کا انکار وہی انسان کرسکتا ہے جس کے دل میں مرض ہو۔ ایمان والوں کے دل اس کا انکار نہیں کرتے بلکہ وہ اس پر ایمان لاتے اور مطمئن رہتے ہیں۔ ہم اسی چیز کے مکلّف ہی جو ہم تک پہنچے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بیان اور ہدایت کا ارادہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ وَ یَهْدِیَكُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ یَتُوْبَ عَلَیْكُمْ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ﴾ (النساء: ٢٦)

''اللہ چاہتا ہے کہ تمھارے لیے کھول کر بیان کرے اور تمھیں ان لوگوں کے طریقوں کی ہدایت دے جو تم سے پہلے تھے اور تم پر مہربانی فرمائے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔''

پس وہ نہیں چاہتا کہ یہ کسی معاملے سے مکمل بے خبر رہیں۔ پس وہ کہتا ہے: وہ غضب میں آتا ہے اور وہ غضب میں نہیں آتا۔ اور وہ کہتا ہے: وہ تیز چلتا ہے اور وہ تیز نہیں چلتا۔ یہ بیان کے خلاف ہے۔

اس میں چند مسائل ہیں:

پہلا: آلِ عمران کی آیت کی تفسیر: اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ((الاٰیة)) اور یہ گزر چکا۔

دوسرا: براءۃ کی آیت کی تفسیر: اور وہ اللہ کا فرمان: ((الاٰیة))

اور یہ گزر چکی۔

تیسرا: آیۂ عنکبوت کی تفسیر: اور وہ اللہ کا فرمان ہے: ((الاٰیة)) ہم نے سابقہ اوراق میں اس کی تفسیر پر بات کی۔

چوتھا: یقین کم زور اور قوی ہوتا ہے: یہ اس حدیث سے ماخوذ ہے:

((الحدیث))

پانچواں: اس کی کم زوری کی علامت، اور اس سے تین ہیں: وہ یہ ہیں: یہ کہ تو اللہ کی ناراضی کے ساتھ لوگوں کو راضی کرے، اللہ کے رزق پر ان کی تعریف کرے، جو چیز اللہ نے تجھے نہیں دی اس پر ان کی مذمت کرے۔

چھٹا: اللہ کے لیے خالص خوف فرائض میں سے ہے: یہ اس حدیث سے ماخوذ اس پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عقوبت کی ترتیب اس کی وجہ ہے۔

ساتواں: اس کے فاعل کے ثواب کا ذکر: اور وہ اس سے اللہ کی رضا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگ اس سے راضی ہوں گے اور یہ قابل تعریف انجام ہے۔

آٹھواں: اس کے ترک کرنے والے پر عذاب کا ذکر: اور وہ یہ ہے کہ اس سے اللہ بھی ناراض ہوگا اور لوگ بھی اور وہ اپنا مقصود نہیں پا سکتا۔

خلاصہ باب:

آدمی پر فرض ہے کہ وہ ہر خوف پر اللہ کے خوف کو رکھے۔ اور اللہ کی شریعت میں کسی کی پروا نہ کرے اور علم رکھے کہ جس نے اللہ کی رضا تلاش کی، بھلے لوگ اس سے ناراض ہوں، انجام بہتر اس کا ہوگا۔ اگر اس نے لوگوں کی رضا تلاش کی اور انھی سے تعلق رکھا اور اللہ کو ناراض کیا تو اس کے حالات برا پلٹا کھائیں گے اور اسے اپنا مقصد بھی نہیں ملے گا بلکہ اسے اس کے ارادے کے الٹ چیز ملے گی اور وہ یہ ہے کہ اللہ بھی اس سے ناراض ہوگا اور لوگ بھی۔

ماقبل باب سے اس کی مناسب:

وہ آپ کہ انسان جب تنہا اللہ پر توکل رکھے۔ وہ اپنے مطلوب کے حصول اور اپنی ناپسندیدگی کے زوال میں اس پر اعتماد کرتا ہے اور اس کے سوا کسی اور پر اعتماد نہیں کرتا۔

توکل:

مقصد کے حصول اور قابل کراہت چیز کو دور کرنے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر اعتماد کرنا نیز اعتماد اس پر پختہ ہو اور جائز اسباب بھی اختیار کیے جائیں۔ اس کی ہی قریب ترین تعریف ہے۔ اس میں دو چیزیں ضروری ہیں:

اول: اللہ پر اعتماد سچا اور حقیقی ہو۔

ثانی: جائز اسباب استعمال کیے جائیں۔

جس نے اپنا اکثر اعتماد اسباب پر کیا، اللہ پر توکل میں کمی کی اور اللہ کے کافی ہونے کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

عیب دار جانے تو گویا اس نے اکیلے سبب کو ایسی عمدہ چیز بنا دیا جس میں مطلب کا حصول اور نامرغوب چیز کا زوال کا اشتیاق ہو۔

جس نے اللہ پر اپنے اعتماد کو اسباب سے بے نیاز کیا اس نے اللہ کی حکمت پر طنز کیا۔ کیوں کہ اللہ نے ہر چیز کے لیے سبب بنایا ہے۔ جس نے اللہ پر محض اعتماد ہی کیا۔

اس نے اللہ کی حکمت کو رد کیا کیوں کہ اللہ حکیم ہے۔ وہ سبب والی چیزوں کی اسباب کے ساتھ وابستہ رکھتا ہے۔ جیسا کہ وہ شخص جو بنا شادی کے حصول اولاد کے لیے اللہ پر اعتماد کرتا ہے۔

سب سے بڑے متوکل نبی ﷺ تھے۔ اس کے باوصف آپ ﷺ اسباب اختیار کرتے تھے۔ سفر میں آپ ﷺ زادِ راہ لیتے۔ جب جنگ احد کی طرف نکلے تو آپ ﷺ دو زرہ پہنے ہوئے تھے۔ جب آپ ﷺ مہاجر بن کر نکلے تو ایک رستہ بتانے والے کو ساتھ لیا اور یہ بات نہیں کہی کہ میں اللہ پہ توکل کرتے ہوئے ہجرت پر نکلوں گا اور میں رستہ بتانے والے کو اپنا ساتھی نہیں بناؤں گا۔ آپ ﷺ سردی گرمی سے بچتے اور اس طرح آپ ﷺ کا توکل کم نہیں ہوتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مذکور ہے کہ اہل یمن کے چند لوگ بغیر زادِ راہ کے حج کے لیے آئے۔ انھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا: ہم اللہ پر بھروسہ کرنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم متوکل نہیں بلکہ ایک دوسرے پر بھروسہ کرنے والے ہو۔

توکل آدھا دین ہے۔ اسی لیے ہم اپنی نمازوں میں کہتے ہیں:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۝﴾ (الفاتحہ: ۵)

''ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔''

''پس ہم اللہ سے اس پر اعتماد کرتے ہوئے اور طلب کرتے ہیں کہ وہ عبادت میں ہماری مدد کرے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝﴾ (ھود: ۱۲۳)

''اور اللہ ہی کے پاس آسمانوں اور زمین کا غیب ہے اور سب کے سب کام اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ سو اس کی عبادت کر اور اس پر بھروسا کر اور تیرا رب اس سے ہرگز غافل نہیں جو تم کرتے ہو۔''

اور مزید فرماتے ہیں:

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ رَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَ مَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَ مَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ۝﴾ (ھود: ۸۸)

''اس نے کہا اے میری قوم! کیا تم نے دیکھا اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے اچھا رزق عطا کیا ہو۔ اور میں نہیں چاہتا کہ تمھاری بجائے میں (خود) اس کا ارتکاب کروں جس سے تمھیں منع کرتا ہوں، میں تو اصلاح کے سوا کچھ نہیں چاہتا، جتنی کرسکوں اور میری توفیق اللہ کے سوا کسی سے نہیں، میں نے اسی پر بھروسا کیا اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

عبادت کی تحقیق توکل ہی سے ہوتی ہے۔ کیوں کہ اگر انسان اپنی ہی ذات کے سپرد ہو جائے تو وہ کم زوری اور عاجزی کے سپرد ہو جاتا ہے۔ اور عبادت میں قیام پر متمکن نہیں ہوتا۔ پس وہ یہ سمجھتے ہوئے اللہ کی عبادت کرتا ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔ اس سے وہ عبادت کا اجر بھی پالیتا ہے اور توکل کا بھی۔ لیکن اکثر ہمارے ہاں توکل کا ضعف ہوتا ہے۔

اور ہم اللہ پر توکل اور اس پر اعتماد کو نہیں سمجھتے جس وقت ہم عبادت کریں یا کوئی عادت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اختیار کریں اس بات میں کہ ہم اس فعل کو پہنچیں، بلکہ اگر ہم ظاہری اسباب پر اعتماد کرتے ہیں اور اس کے سوا بھول جاتے ہیں۔ پس ہمیں عظیم ثواب نہیں ملتا اور وہ توکل کا ثواب ہے۔ جیسا کہ ہمیں اثر حصول مقصود تک توفیق ارزائی نہیں ہوتی، برابر ہے کہ ہمیں مشکلات پیش آئیں جو اس کے انقطاع کو ضروری کریں یا ایسے عوارض جو اس کے نقصان کو واجب کر دیں۔

توکل کی تین اقسام ہیں:

پہلی: توکل عبادت اور عجز کو کہتے ہیں۔ یہ اس ذات پر مطلق اعتماد ہے جس پر توکل کیا جائے اس حیثیت سے کہ وہ اعتقاد رکھے کہ اسی کے ہاتھ میں نفع پہنچانے اور نقصان ہٹانے کا اختیار ہے۔ پس وہ اس پر کامل اعتماد کرتا ہے۔ اس شعور کے ساتھ کہ وہ اس کا فقیر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ان لوگوں کی طرح جو فوت شدہ اور غائب صالحین پر اعتماد کرتے ہیں۔ اس کا ظہور اسی شخص کے لیے ہوتا ہے جو کائنات میں ان کے لیے خفیہ تصرف کا عقیدہ رکھتا ہے۔ پس وہ جلب منفعت اور دفع مضرت کے لیے ان پر اعتماد کرتا ہے۔

دوسری: اپنے رزق اور معاش وغیرہ میں کسی شخص پر اعتماد کرنا۔ یہ شرک اصغر ہے۔ بعض کہتے ہیں: یہ شرک خفی ہے، جیسے حصول رزق میں اکثر لوگوں کا اعتماد اپنی تنخواہ پر ہوتا ہے۔ اسی لیے تو انسان کو پاتا ہے جو اپنے نفس سے یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس پر محتاجی کے اعتماد کی طرح اعتماد کرنے والا ہے۔ پس تو اس کے دل میں اس شخص کے لیے محبت پانا ہے۔ جس کے پاس اس کا رزق ہوتا ظاہری طور پر۔ پس وہ اسے محض سبب کا اعتقاد نہیں رکھتا بلکہ اسے سبب کے اوپر بناتا ہے۔

تیسری: کسی شخص پر اعتماد کرنا اس چیز میں جسے اس کے کنٹرول میں سپرد کیا گیا ہو۔ جیسے اگر تو کسی شخص کو چیز کے بیچنے یا خریدنے میں وکیل بنائے اور یہ اس میں کوئی چیز نہیں۔ اس لیے کہ اس نے اس پر اعتماد کیا اور وہ سمجھتا ہے اس کے لیے اس پر اونچا مقام ہے اس لیے کہ اس نے اپنی طرف سے اسے نائب بنایا اور بے شک وکیل بنایا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نبی ﷺ نے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو کہ وہ آپ ﷺ کی باقی قربانیاں ذبح کرے اور آپ ﷺ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو صدقے پر وکیل بنایا اور حضرت عروہ بن بعد رضی اللہ عنہ کو بنایا کہ وہ آپ ﷺ کے لیے قربانی کے جانور خریدے۔ یہ قسم ثانی کے خلاف ہے کیوں کہ اس سے اس کی ضرورت سمجھ میں آتی ہے۔ توکل کیے جانے والے پر اس کا اعتماد محتاجی کا اعتماد خیال کیا جاتا ہے۔

گزرے اوراق سے واضح ہوتا ہے کہ توکل ایک پرعظمت مقام ہے۔ انسان پر فرض ہے کہ وہ اپنے تمام حالات میں اس سے وابستہ رہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: معطلہ، معتزلہ اور قدریہ کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اللہ پر توکل کریں۔ کیوں کہ معطلہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی پر یقین رکھتے ہیں۔ انسان استحقاق پر مبنی کامل صفات والے پر ہی اعتماد کرتا ہے کیوں کہ اس پر اعتماد جو کیا جاتا ہے۔

اسی طرح قدریہ، کیوں کہ وہ کہتے ہیں؛ بندہ اپنے عمل کے ساتھ مستقل ہے۔ اور بندوں کے اعمال میں اللہ کا کوئی تصرف نہیں۔

یہاں سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ سلف کا طریق ہی بہتر ہے۔ اسی سے جمیع عبادات اور عبادت گزاروں کے جمیع احوال مکمل ہوتے ہیں۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں چار آیات ذکر کی ہیں۔ پہلی آیت کو اس نے ترجمۃ الباب بنایا اور وہ یہ ہے:

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ((وعلی اللہ فتوکلوا)): ((وعلی اللہ)): اس کے قول کے ساتھ متعلق ہے: ((فتوکلوا)) معمول کا پہلے آنا حصر پر دلالت کرتا ہے، یعنی اللہ پر نہ کہ غیروں پر۔ ((فتوکلوا)): یعنی اعتمد وا۔

فاء تحسین لفظ کے لیے ہے، یہ عاطفہ نہیں۔ اس لیے کہ جملے میں حرفِ عطف واؤ ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ہم عاطفین کے ذریعے جمع پر عطف ڈالیں۔ پس وہ تحسین لفظ کے لیے ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾ (الزمر: ٦٦)

''بلکہ اللہ ہی کی پھر عبادت کر اور شکر کرنے والوں سے ہو جا۔''

تقدیر یہ ہے:

((بل الله اعبدا))

اس کا فرمان:((ان کنتم مومنین)):((ان)): شرطیہ اور فعل شرطیہ ''کنتم'' ہے۔ اس کا جواب کہا گیا ہے: یہ ایسا محذوف ہے جس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے۔ کلام کی تقدیر یہ ہے:

((ان کنتم مومنین فتوکلوا))

یہ بھی کہا گیا: اس قسم کی ترکیب میں گزر چکے جواب اکتفا کی ضرورت نہیں۔ پس جو گزر چکا وہ ایسے ہوتا ہے گویا وہ اس چیز کے ساتھ معلق فعل ہے۔ یہ زیادہ راجح ہے۔ کیوں کہ اصل عدم حذف ہے۔

اس آیت میں اصحاب موسیٰ علیہ السلام کا قول مفید ہے کہ توکل ایمان کا حصہ اور اس کے مقتضیات میں سے ہے، جیسا کہ اگر تو کہے: اگر تو مہربان ہے تو مہمان کی عزت کر۔ پس مہمان کی عزت کرم کا تقاضا ہے۔

یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ کمال ایمان کی نفی توکل علی اللہ کی نفی کا تقاضا کرتی ہے، بصورت دیگر اگر غیر اللہ پر کلی اعتماد حاصل ہو تو یہ شرک اکبر ہے، ہمارا ایمان جس کی نفی کرتا ہے۔ دوسری آیت، اللہ کا فرمان:((انما المومنون)): ((انما)): کلمۂ حصر ہے۔ حصر ذکر شدہ چیز میں حکم کا اثبات اور اس کے سوا کی نفی ہے۔ مطلب یہ ہوا: مومنین یہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت اور بعد والی آیت میں پانچ اوصاف ذکر کیے ہیں:

پہلا: اللہ کا فرمان:

﴿الذین اذا ذکر الله وجلت قلوبهم﴾

یعنی ڈر جاتے ہیں اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ اس کی مثال: ایک آدمی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

نے نافرمانی کا ارادہ کیا۔ پس اس نے اللہ کو یاد کیا اسے اللہ کی یاد دلائی گئی اور اس سے کہا گیا: تو اللہ سے ڈر۔ اگر وہ مومن ہوا تو ڈر جائے گا۔ یہ ایمان کی علامت ہے۔

دوسرا وصف: اللہ کا فرمان: ((الایۃ))، یعنی: سچ مانتے ہوئے اور اطاعت کرتے ہوئے۔ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ انسان کبھی کبھی خود قرآن پڑھنے سے اتنا فائدہ نہیں اٹھاتا جتنا اپنے غیر کی قراءت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیوں کر پڑھوں؟ جب کہ آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے سوا اور اسے سننا چاہتا ہوں۔ پس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سورۂ نساء کا کچھ حصہ تلاوت کیا۔ یہاں تک کہ اللہ کے اس فرمان:

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (النساء: ٤١)

''پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھے ان لوگوں پر گواہ لائیں گے۔''

پر پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کافی ہے۔ پس میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو گر رہے ہیں۔

تیسرا وصف: اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿وعلیٰ ربہم یتو کلون﴾

یعنی وہ صرف اللہ پر اعتماد کرتے ہیں کسی اور پر نہیں۔ اس کے باوصف وہ اسباب اختیار کرتے ہیں۔ یہی دلیل ہے۔

چوتھا وصف: اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿الذین یقیمون الصلوٰۃ﴾

یعنی وہ کامل استقامت سے ان نمازوں کو ادا کرتے ہیں۔ نماز: اسم جنس ہے جو فرائض اور نوافل پر مشتمل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پانچواں وصف: اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ومما رزقنهم ينفقون﴾

"من" تبعیض کے لیے ہے۔ پس اللہ ان کی تعریف کرتا ہے جو اپنے مال کا کچھ حصہ نہ کہ سارا خرچ کرتے ہیں۔ یا یہ بیان جنس کے لیے ہے۔ پس یہ تعریف ان کو شامل ہے جو بعض یا سارا مال خرچ کرتے ہیں۔

درست بات: یہ بیان جنس کے لیے ہے۔ جو سارا مال خرچ کرتا ہے وہ بھی تعریف میں داخل ہے جب وہ توکل کرے۔

اللہ تعالیٰ پر اس بات میں کہ وہ اسے اور اس کے اہل خانہ کو رزق دیتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ اگر اس کے اپنے اہل خانہ ضرورت مند ہوں وارجن پر خرچ کیا جائے انھیں کوئی ضرورت نہ ہو تو کیا سارا مال خرچ کرنا ضروری ہے؟ سارا مال خرچ کرنا مناسب نہیں۔

تیسری آیت اللہ تعالیٰ کا فرمان: ((یا ایها النبی)) :اس سے مراد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی نبوت اور کبھی رسالت کے وصف سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالب ہوتے ہیں۔ خاص احکامات میں اکثر نبوت کے وصف کے ساتھ پکارتے ہیں: اللہ فرماتے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاةَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ ۝﴾ (التحریم: ۱)

''اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے جو اللہ نے تیرے لیے حلال کیا ہے؟ تو اپنی بیویوں کی خوشی چاہتا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

اور اللہ فرماتے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَّتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝﴾

(الطلاق : ١)

''اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انھیں ان کی عدت کے وقت طلاق دو اور عدت کو گنو اور اللہ سے ڈرو جو تمھارا رب ہے، نہ تم انھیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ نکلیں مگر یہ کہ کوئی کھلی بے حیائی (عمل میں) لائیں۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو یقیناً اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ تو نہیں جانتا شاید اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے۔''

((النَّبِيُّ)): فعل (عین کی فتح کے ساتھ) اور فعل (عین کے کسر کے ساتھ) کے معنی میں فعل ہے۔ یعنی منبأ (جسے خبر دی جائے) اور منبئ (خبر دینے والا)۔ پس رسول کو اللہ کی طرف سے خبر دی جاتی ہے اور اللہ کے بندوں کو خبر دینے والا ہے۔

اس کا فرمان: ((حسبك الله)) یعنی تجھے کافی ہے۔ حسب: کافی۔ اسی سے قول ہے: اس نے درہم دیے جو کافی ہیں۔ حسب مقدم خبر ہے اور جلالت کا لفظ مبتدا مؤخر ہے۔ مطلب یہ ہے: ((ما الله الا)) اس کے برعکس بھی جائز ہے۔ یعنی حسب مبتدا ہو اور جلالت کا لفظ اس کی خبر ہو اور معنی یہ ہوں: ((ما حسبك الا الله)) یہ راجح ہے۔

اللہ کا فرمان:

﴿ومن اتبعك من المومنين﴾

((من)): اسم موصول اور منبی پر سکون ہے۔ اس کے عطف میں اہل علم کی دو آرا ہیں۔ کہا گیا:

((حسبك الله و حسبك من اتبعك من المومنين))

((من)): لفظ جلالہ پر معطوف ہے کیوں کہ وہ اقرب ہے۔ اگر ''حسبك'' میں کاف پر عطف ہو تو جار کا اعادہ ضروری ہے۔ یہ اللہ کے اس قول کی طرح ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

﴿﴾ (الانفال : .....)

ترجمہ:

پس اللہ تعالیٰ مومنوں کے ذریعے اپنے رسول ﷺ کی مدد کی۔ پس وہ اس کے لیے کافی ہے جیسے اللہ آپ ﷺ کے لیے کافی ہے۔ یہ بات کم زور ہے۔ اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے:

پہلا: ان کا قول: اقرب ہونے کی وجہ سے اس پر عطف ہونا درست نہیں۔ کبھی کبھی عطف سابقہ چیز پر بھی ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ نحوی کہتے ہیں: جب معطوف زیادہ ہوں تو عطف پہلے پر ہوتا ہے۔

دوسرا: ان کا قول: اگر کاف پر عطف ہو تو جار کا اعادہ واجب ہے۔ درست یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں، جیسا کہ ابن مالک کہتے ہیں:

ولیس عندی لازماً اذ قدأتی فی النثر و النظم الصحیح مثبتا

تیسرا: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ((الآیۃ)) سے ان کا استدلال ہے۔ پس ان کے لیے تائید ان کے غیر کا کافی ہونا، کیوں کہ ان کے کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر اعتماد کیا جائے اور یؤیدونہ کا مطلب ینصرونہ ہے اپنی ذات کے استقلال کے ساتھ اور ان دونوں کے بیچ میں فرق ہے۔

چوتھا: بے شک اللہ تعالیٰ جب حسب کا ذکر کرتا ہے تو وہ اپنی ہی ذات کے لیے خالص کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ۝﴾

(التوبہ: ۵۹)

''اور کاش کہ واقعی وہ اس پر راضی ہو جاتے جو انھیں اللہ اور اس کے رسول نے دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے، جلد ہی اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

رسول بھی۔ بے شک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں۔''

پس اس نے حسب اور ایتا میں فرق کیا ہے۔ اور اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ (الزمر: ۳۸)

''اور یقیناً اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور ہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ کہہ تو کیا تم نے دیکھا کہ وہ ہستیاں جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے تو کیا وہ اس کے نقصان کو ہٹانے والی ہیں؟ یا وہ مجھ پر کوئی مہربانی کرنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روکنے والی ہیں؟ کہہ دے مجھے اللہ ہی کافی ہے، اسی پر بھروسا کرنے والے بھروسا کرتے ہیں۔''

گویا غیر اللہ پر توکل جائز نہیں۔ اسی طرح حسب ہے کہ ممکن نہیں کہ غیر اللہ کافی ہو۔ اگر یہ ہوتا تو اس پر توکل بھی ہوتا، لیکن اللہ ہی کافی ہے۔ اور وہ وہی ہے جس پر توکل کرنے والے توکل کرتے ہیں۔

پانچواں: اللہ کے فرمان: ((ومن اتبعك)) میں وہ چیز نہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو منع کرتی ہو کہ وہ رسول ﷺ کو کافی سمجھیں۔ یہ اس لیے کہ وہ تو پیروکار ہیں۔ پس تابع اپنے متبوع کے لیے کیسے کافی ہوسکتا ہے۔ یہ ہمیشہ کے لیے مستقیم نہیں۔ درست بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ((حسبك)) میں وہ کاف پر معطوف ہے، یعنی آپ ﷺ کے پیروکار مومنین کے لیے بھی کافی۔ پس تم سب تابع اور متبوع اس پر توکل کرو۔

چوتھی آیت اللہ تعالیٰ کا فرمان: ((الآیۃ)) جملہ شرطیہ اپنے منطوق کے ساتھ فائدہ دیتا ہے کہ جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ اس کے اہم امور کے لیے کافی ہے اور اس کے امر کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آسان کرتا ہے۔ پس اسے اللہ کافی ہے۔ اگر اسے تکالیف پہنچیں تو اللہ اس کی تکلیفوں کے لیے اسے کافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سید المتوکلین تھے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ کو تکلیفیں پہنچتیں اور آپ ﷺ کو مضرت نہ پہنچی۔ اس لیے کہ اللہ آپ ﷺ کو کافی تھا۔ پس جو اللہ پر اعتماد کرے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کا رب اس کی امداد کے لیے کافی ہوتا ہے۔

آیت اپنے مفہوم سے یہ فائدہ دیتی ہے کہ جو غیر اللہ پر توکل کرے وہ رسوا ہوگا کیوں کہ غیر اللہ کافی نہیں ہوتا جیسا کہ گزر چکا۔ جو غیر اللہ پر توکل کرے اللہ اس سے بے نیاز ہوجاتا ہے اور وہ شخص اس چیز کے سپرد ہوجاتا ہ اور اسے اپنا مقصود بھی حاصل نہیں ہوتا اور وہ اللہ سے اتنا دور ہوجاتا ہے جتنا غیر اللہ پر توکل کرتا ہے۔

اس کا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر میں: محمد ﷺ نے وہ بات کہی جب انھوں نے کہا: ((الا یہ))

یہ قرآن کی نص میں ہے کہ جب ابو سفیان رضی اللہ عنہ احد سے ارادہ کر کے نکلے کہ وہ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کے پاس دوبارہ آئیں گے اور بہ زعم خویش ان کا خاتمہ کریں گے۔ پس آپ ایک قافلے سے ملے اور ان سے کہا: کہاں کا ارادہ ہے؟ کہا: ہم مدینہ جا رہے ہیں۔ اس نے کہا: محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کو بتانا کہ ہم ان کی طرف لوٹ رہے ہیں، پس انھیں ختم کریں گے۔ وہ قافلہ مدینے میں آیا اور انھیں یہ بات پہنچائی۔ پس رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے کہا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔اور تقریباً ستر سواروں کا قافلہ نکلا۔ یہاں تک کہ وہ حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے۔ پھر ابوسفیان اپنی رائے سے پھر گیا اور مکہ کی طرف چلا گیا۔ یہی اللہ کا کافی ہونا تھا اپنے رسول ﷺ اور مومنین کے لیے اس حیثیت سے کہ انھوں نے اس پر اعتماد کیا۔

اس کا قول: ((قال لھم الناس)) یعنی قافلہ

اس کا قول: ((ان الناس)) یعنی ابوسفیان اور اس کے ساتھی۔ یہاں کلمۂ ناس سے مراد اصولی لوگ عام لیتے ہیں جس سے خاص مراد ہوتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کا قول: ((حسبنا)) یعنی ہمیں کافی ہے، یہ مبتدا اور لفظ جلالہ اس کی خبر ہے۔

اس کا قول: ((ونعم الوکیل)): ((نعم)): فعل ماضی ہے اور ((الوکیل)): فاعل ہے۔ اور مخصوص محذوف ہے، جس کی تقدیر یہ ہے: ھو، یعنی اللہ اور وکیل: جس پر اعتماد کیا جائے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر اسم وکیل بولا جاتا ہے اور وہ موکل بھی ہے۔ وکیل اور موکل اس کے اس فرمان میں:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ۝﴾ (الانعام: ۸۹)

''یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی، پھر اگر یہ لوگ ان باتوں کا انکار کریں تو ہم نے ان کے لیے ایسے لوگ مقرر کیے ہیں جو کسی صورت ان کا انکار کرنے والے نہیں۔''

وکیل بنانے سے مراد یہ نہیں کہ جن چیزوں میں احتیاج ہو ان میں غیر کو انابت دے دی جائے۔ پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اپنی ضرورت سے وکیل بنانا نہیں، بلکہ وکیل بنانے سے مراد زمین میں خلیفہ طلب کرنا تاکہ وہ دیکھے کہ یہ کیسے عمل کرتے ہیں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول:

((ان ابرٰھیم.....))

اس قول میں رائے کی مجال نہیں۔ پس اس کے لیے رفع کا حکم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بنی اسرائیل سے روایت کرتے ہیں۔ ممکن ہے انھوں نے ان سے لیا ہو یہ قول، لیکن انھوں نے بڑی پختگی سے اسے بیان کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو اس کے ساتھ ملایا یہ بعید ہے کہ آپ نے بنی اسرائیل سے یہ روایت اخذ کی ہے۔

آیت سے گواہی، اللہ کا فرمان: ((الآیۃ)) اس حیثیت سے کہ انھوں نے اللہ اکیلے کو اپنے لیے کافی بنایا۔

تنبیہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہمارا قول: ((ابن عباس.....)) اصطلاحی علما کے نزدیک یہ مشہور قول ہے لیکن ہے یہ محل نظر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ان میں سے ہیں جو بنی اسرائیل سے روایات لینے کا انکار کرتے ہیں۔ پس (صحیح البخاری)، (۲۹۱/۵۔ فتح) میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے مسلمانوں کے گروہ! تم اہل کتاب سے کیسے سوال کرتے ہو؟ جب کہ تمھارے پاس کتاب ہے جو اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی اللہ کے بارے میں نئی خبریں ہیں تم اسے پڑھتے ہو.....

اللہ نے تمھیں خبر دی کہ اہل کتاب نے اللہ کی تحریروں کو بدلا اور اپنے پاس کتاب میں تبدیلی کی۔ پس انھوں نے کہا: یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ وہ اس کے عوض میں تھوڑی قیمت لے لیں۔ کیا تمھارے پاس آیا علم تمھیں ان کے مسائل سے روکتا نہیں؟ بخدا ہم ان میں سے کوئی آدمی نہیں دیکھا جو تمھارے اوپر نازل کردہ کتاب سے تم سے سوالات کرے۔

اس میں چند مسائل ہیں:

پہلا: توکل فرض ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے ایمان کو توکل کے ساتھ ملایا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: ((الایۃ)) اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔

دوسرا: یہ ایمان کی شروط میں ہے: اللہ کے اس فرمان: ((ان کنتم مومنین)) سے ماخوذ ہے۔ اس کی تفسیر گزر چکی۔

تیسرا: آیۂ انفال کی تفسیر، اور وہ اللہ کا فرمان ہے: ((انما المومنون.....))

یہاں ایمان سے مراد کامل ایمان ہے۔ بصورت دیگر انسان مومن ہوتا اگرچہ وہ ان صفات کے ساتھ متصف نہ بھی ہوتا، لیکن اس کے ساتھ مطلق ایمان ہے۔ اس کی تفسیر گزر چکی۔

چوتھا: آیت کی تفسیر اس کے آخر میں: یعنی انفال کے آخر میں: اور وہ اللہ کا فرمان ہے: ((الآیۃ)) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو اللہ کافی ہے۔ یہی بات فائق ہے جیسا کہ گزر چکا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پانچواں: آیۂ طلاق کی تفسیر: اور وہ اللہ کا فرمان: ((الآیۃ)) اس کی تفسیر گزر چکی۔

چھٹا: اس کلمے کی عظمت۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کا قول ہے ومصائب میں یعنی ((حسبنا الله ونعم الوكيل)) والاقول۔

باب میں اور بھی مسائل ہیں جن کا ذکر مولف نے نہیں کیا۔ ان میں سے:

ایمان کی زیادتی: کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ((واذا تليت.....))

اور ان میں سے: شوائد کے وقت مناسب یہ ہے کہ آدمی اسباب اختیار کرتے ہوئے اللہ پر اعتماد کرے، کیوں کہ رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب یہ بات اس وقت کی جب ان سے کہا گیا: لوگ آپ کے لیے جمع ہونے والے ہیں۔ تم ان سے ڈرو، لیکن انھوں نے اس معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیا اور کہا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔

ان میں سے: ایمان رکھے ہوئے نبی ﷺ کا اتباع بندے کے لیے اللہ کی کفایت کا باعث بنتا ہے۔

یہ باب دو موضوعات پر مشتمل ہے:

اول: اللہ کے مکر (تدبیر) سے امن۔

ثانی: اللہ کی رحمت سے مایوسی۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

اول کے لیے مؤلف نے اللہ کے اس فرمان سے استدلال کی ہے:

﴿اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّ هُمْ نَآئِمُوْنَ۝ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّ هُمْ يَلْعَبُوْنَ۝ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۝﴾

(الاعراف: ۹۷-۹۹)

''تو کیا بستیوں والے بے خوف ہوگئے کہ ہمارا عذاب ان پر راتوں رات آ جائے اور وہ سوئے ہوئے ہوں۔ اور کیا بستیوں والے بے خوف ہوگئے کہ ہمارا عذاب ان پر دن چڑھے آ جائے اور وہ کھیل رہے ہوں۔ پھر کیا وہ اللہ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں، تو اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو خسارہ اٹھانے والے ہیں۔''

پس کا کا فرمان: ((وھم نائمون)) کمال امن پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ وہ اپنے شہروں میں ہیں۔ جب کہ خائف سوتا نہیں۔ اور اللہ کا فرمان: ((ضحی وھم یلعبون)) یہ بھی کمال امن، سکو اور عدم تنگی پر دلالت کرتا ہے، کیوں کہ اگر انھیں گزراں میں تنگی ہوتی تو یہ رزق اور عیش طلب کرتے اور چاشت کے وقت نہ ہوتے، یعنی دن کے چوتھے حصے میں۔ پس وہ سوئے ہیں کھلم کھلا۔ اور اللہ کی نافرمانیوں اور اپنے لہو ولعب پر قائم ہیں۔ اپنی خوشحالی کا ذکر کرتے اور اپنے خالق کے ذکر سے غافل ہیں۔ پس وہ رات کو سوتے اور دن کو کھیل تماشا لگاتے ہیں۔ پس بیان کیا اللہ عزوجل نے کہ یہ ان کے ساتھ اللہ کی تدبیر ہے۔ اسی لیے فرمایا: ((أفأمنوا مکر الله)) پھر آیت کو ختم کیا اپنے اس فرمان سے: ((فلا یامن.....)) پس اللہ تعالیٰ جس پر اپنی نعمتیں، عیش خوش حالی کا احسان کرے اور وہ اس کی نافرمانی پر اڑا رہے اور گمان کرے کہ وہ فائدے میں ہے، حالاں کہ وہ سراسر خسارے میں ہے۔

پس جب اللہ تجھ پر ہر طرف سے نعمتیں کرے: بھوک میں کھانا کھلائے، خوف سے امن دے، برہنگی میں لباس دے اور تو اللہ نافرمانی پر قائم ہوتے ہوئے خیال کرے کہ تو فائدے میں ہے، بلکہ تو خسارے میں ہے، کیوں کہ یہ تیرے ساتھ اللہ کی تدبیر ہے۔

اللہ کا قول:

﴿الا القوم الخسرون﴾

مصر کے لیے استثنا ہے۔ کیوں کہ اس کا ماقبل اس کے لیے مفرغ ہے، پس قوم فاعل اور خاسرون ان کی صفت ہے۔ اور اللہ کے فرمان میں

﴿أامنو مکر الله﴾

دلیل ہے کہ اللہ کے لیے مکر ہے اور مکر یہ ہے: خسارے میں ڈالنے کی رسائی اس طرح کہ اسے شعور نہ ہو۔ اسی سے حدیث میں ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

((الحرب خدعة))

یعنی جنگ دھوکا ہے۔

اعتراض: اللہ مکر کا وصف کیوں بیان کرتا ہے جب کہ اس کا ظاہر مذموم ہے؟

جواب: مکر اپنے مقام پر قابل تعریف ہے کہ یہ ماکر کی قوت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اپنے مخالف پر غالب ہے۔ اسی باعث اللہ مطلق طور پر اپنے ساتھ مکر کا وصف بیان نہیں کرتا۔ پس جائز نہیں کہ تو کہے: اللہ ماکر ہے۔ یہ صفت اس مقام پر آتی ہے جس میں مدح ہوتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿وَ اِذْ یَمْکُرُبِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَo﴾ (الانفال: ۳۰)

''اور جب وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، تیرے خلاف خفیہ تدبیریں کر رہے تھے، تا کہ تجھے قید کر دیں، یا تجھے قتل کر دیں، یا تجھے نکال دیں اور وہ خفیہ تدبیر کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔''

اور اللہ نے فرمایا:

﴿وَمَکَرُوْا مَکْرًا وَّمَکَرْنَا مَکْرًا وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَo﴾ (النمل: ۵۰)

''اور انھوں نے ایک چال چلی اور ہم نے بھی ایک چال چلی اور وہ سوچتے تک نہ تھے۔''

اور جیسے اللہ کا فرمان:

﴿اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰهِ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَo﴾

(الاعراف: ۹۹)

''پھر کیا وہ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں، تو اللہ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو خسارہ اٹھانے والے ہیں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اور اس کی طرف سے اس صفت کی نفی نہیں کی جاسکتی۔

اطلاق کی سبیل پر۔ بلکہ یہ مقام مدح پر ہو تو اس کے ساتھ اسے وصف بنایا جاتا ہے اور اگر مقام غیر مدح پر ہو تو اس کے ساتھ وصف نہیں بنایا جاتا اور اسی طرح یہ اللہ کا اسم نہیں۔ پس نہیں کہا جائے گا کہ اللہ کے اسما میں سے ماکر صفت ہے۔

رہی خیانت تو اس کے کبھی بھی اللہ کا وصف بیان نہیں ہوسکتا کیوں کہ یہ ہر حال میں قابل مذمت ہے۔ جب کہ یہ امین بنانے کے موقع پر مکر ہے اور یہ مذموم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌo﴾ (الانفال: ۷۱)

''اور اگر وہ تجھ سے خیانت کا ارادہ کریں تو بے شک وہ اس سے پہلے اللہ سے خیانت کر چکے ہیں، تو اس نے ان پر قابو دے دیا اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔''

اور نہیں کہا: فخانهم

تو جو دھوکا ہے یہ بھی مکر ہی کی طرح ہے۔ اس کے ساتھ اللہ وصف بیان ہوگا اس حیثیت سے کہ یہ مدح ہو، کیوں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًاo﴾

(النساء: ۱۴۲)

''بے شک منافق لوگ اللہ سے دھوکا بازی کر رہے ہیں، حالانکہ وہ انھیں دھوکا دینے والا ہے اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت کم۔''

مکر فعلی صفت ہے۔ کیوں کہ یہ اللہ سبحانہ کی مشیت سے متعلق ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس آیت سے چند چیزیں نکلتی ہیں:

۱۔ ان نعمتوں سے بچاؤ جنھیں اللہ بندے کے لیے چھین لیتا ہے کہ کہیں وہ فریب میں نہ آجائے، کیوں کہ تجھ پر اللہ کی ہر نعمت ایسا وظیفہ ہے جس کی وہ قدر کرے اور وہ یہ ہے کہ وہ منعم کی اطاعت کرے۔ پس جب وہ ان وافر نعمتوں کے باوجود اس کی اطاعت نہیں کرتا تو یہ اللہ کا مکر ہے۔

۲۔ اللہ کے مکر سے امن حرام ہونا۔ اس کی دو وجود ہیں:

اول: جملہ استفہام کے صیغے سے ہے جو انکار اور تعجب پر دلالت کرتا ہے۔

ثانی: اللہ کے فرمان: ((الاٰیۃ))

دوسرا موضوع جس پر یہ باب مشتمل ہے وہ اللہ کی رحمت سے مایوسی ہے۔ مؤلف نے اللہ کے اس فرمان سے استدلال کیا: ((الاٰیۃ))

((من)): اسم استفہام ہے، کیوں کہ اس کے بعد کا فعل مرفوع ہے۔ پھر اس کے لیے جواب نہیں۔ قنوط: شدید مایوسی، کیوں کہ انسان مایوس ہوتا ہے تو امید دور ہو جاتی ہے، اس طرح کہ حصولِ مطلوب اور دوری کرب دور ہو جاتا ہے۔

اس کا قول: ((من رحمة ربه)): یہ رحمت فاعل کی طرف مضاف ہے اور اس کا معفول محذوف ہے۔ تقدیر: ((من رحمة ربه اياه))

اس کا فرمان: ((الا الضالون)): الا: کلمۂ حصر ہے، کیوں کہ استفہام اس کے فرمان: ((ومن يقنط)) میں ہے۔ اسے مراد نفی ہے اور ((الضالون)) یقنط کا فاعل ہے۔

معنی: اللہ کی رحمت سے سوائے گم راہوں کے اور کوئی نہیں مایوس نہیں ہوتا۔ ضال: جس سے ہدایت گم ہو جائے ..... اللہ کے ل یے کیا ضروری ہے وہ نہیں جانتا، باوجود کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ..... کے قریب ہے۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے۔

((الحديث))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیت کے معنی: جب ابراہیم علیہ السلام کو ملائکہ نے بچے کی خوش خبری دی تو آپ نے ان سے فرمایا:

﴿قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ الْکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ o قَالُوْا بَشَّرْنٰکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ o﴾ (الحجر: ٥٤_٥٥)

''اس نے کہا کیا تم نے مجھے اس کے باوجود خوشخبری دی ہے کہ مجھے بڑھاپا آ پہنچا ہے، تو تم کس بات کی خوشخبری دیتے ہو؟ انھوں نے کہا ہم نے تجھے حق کی خوشخبری دی ہے، سوتو ناامید ہونے والوں سے نہ ہو۔''

اللہ کی رحمت سے مایوسی ناجائز ہے، کیوں کہ یہ اللہ عزوجل کے بارے میں بدگمانی ہے اور یہ دو وجوہ سے ہے۔

اول: اللہ سبحانہ کی قدرت پر طنز ہے، کیوں کہ جو علم رکھے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے تو وہ اللہ کی قدرت سے کسی چیز کو بعید نہ جانے۔

ثانی: اللہ کی رحمت پر طعن ہے کیوں کہ جو علم رکھے کہ اللہ رحیم ہے تو وہ اللہ رحم کرنے کے بعید نہ جانے۔ اسی لیے اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے والا گم راہ ہوتا ہے۔

انسان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مصیبت کا شکار ہو پھر وہ اپنے حصول مطلب یا دوری کرب کو بعید سمجھے۔ کتنے ہی انسان مصائب کا شکار ہو کر گمان کر بیٹھتے ہیں کہ ان سے نجات کی کوئی صورت نہیں۔ پس اللہ سبحانہ ان سے نجات دے دیتا ہے۔ یا تو کسی سابقہ نیک عمل کے ذریعے جیسے حضرت یونس علیہ السلام کے لیے واقع ہوا۔ اللہ فرماتے ہیں؛

﴿لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ o﴾ (الصافات: ١٤٤)

''تو یقیناً اس کے پیٹ میں اس دن تک رہتا جس میں لوگ اٹھائے جائیں گے۔''

یا کسی درپیش عمل کے ذریعے، جیسے بدر کے دن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور جنگ احزاب کی رات کی دعا اور اسی طرح اصحاب غار۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

سابقہ سطور سے واضح ہوا کہ مؤلف رحمہ اللہ نے ارادہ کیا کہ وہ خوف کے درمیان انسان کو اللہ کی طرف پلٹاتے، پس وہ اللہ کے مکر سے بے خوف نہ ہو اور امید کے درمیان۔ پس وہ اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ پس اللہ کے مکر سے امن خوف کی جانب رخنہ ہے اور اس کی رحمت سے مایوسی امید کی جانب رخنہ ہے۔

اس کا قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں:

((أن رسول الله سئل عن الكبائر)):

کبیرہ کی جمع ہے۔ اس سے مراد: بڑے گناہ ہیں۔ یہ سوال بتاتا ہے کہ گناہ چھوٹوں بڑوں میں تقسیم ہیں۔ قرآن نے بھی اس پر دلالت کی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿إِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾ (النساء: ٣١)

''اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچو گے جن سے تمھیں منع کیا جاتا ہے تو ہم تم سے تمھاری چھوٹی برائیاں دور کر دیں گے اور تمھیں باعزت داخلے کی جگہ میں داخل کریں گے۔''

اور اللہ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبَآئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾

(النجم: ٣٢)

''وہ لوگ جو بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں مگر صغیرہ گناہ، یقیناً تیرا رب وسیع بخشش والا ہے، وہ تمھیں زیادہ جاننے والا ہے جب اس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے۔ سو اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو، وہ زیادہ جاننے والا ہے کہ کون بچا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کبائر ایک درجے پر نہیں۔ بعض بعض سے بڑے ہیں۔

علما کا اختلاف:

یہ معدود ہیں یا محدود؟

بعض اہل علم کہتے ہیں: یہ معدود، یعنی گنے چنے ہیں۔ اس میں آنے والی نصوص اسے معدود کرتی ہیں اور تتبع کرتی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ محدود ہیں۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ان کی حد بندی کی اور کہا: جس گناہ پر ایک خاص سزا مرتب ہو، خواہ وہ دنیا میں ہو یا آخرت میں، خواہ وہ پسندیدہ چیز کا معدوم ہونا ہو یا ناپسندیدہ کا حصول، وہ گناہ کبیرہ ہے۔ یہ بہت وسیع ہیں اور اکثر گناہ ان کی ذیل میں آتے ہیں۔ ان کی وجہ یہ ہے جو اس نے کہا: گناہوں کی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم وہ جس سے روکا گیا اس پر سزا نہیں۔ اس کی سزا سزاؤں کے لیے عام معنی لاتی ہے۔ یہ نافرمانی نیک کام کرنے سے مٹ جاتی ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((الحدیث))

اسی طرح جو حدیث وارد ہوئی عمرہ میں عمرہ تک اور وضو گناہوں کے کنارے میں سے ہے۔ پس یہ چھوٹے گناہ ہیں۔

ایک قسم وہ ہے جس پر خاص سزا ہے، جیسے لعنت کرنا، غضب، اس کے فاعل سے بیزاری، دنیا میں حد، نفی ایمان یا اس طرح کی کوئی سزا۔ پس یہ کبیرہ گناہ ہیں، جن کے مراتب میں اختلاف ہے۔

اس حدیث کے بارے میں سائل کا ارادہ کبائر کی معرفت ہے تاکہ وہ ان سے بچے بخلاف ان کثیر لوگوں کی حالت کے جو فقط علم کے لیے سوال کرتے ہیں۔ اسی باعث ان کے علم کی برکت ناقص ہے۔

اس کا قول: ((الشرك بالله)): ظاہری اطلاق: اس سے شرک اصغر اور اکبر ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کیوں کہ شرک اصغر کبیرہ گناہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: غیر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ کی سچی قسم اٹھانے سے مجھے کہیں پسند ہے کہ میں اللہ کی جھوٹی قسم اٹھاؤں، کیوں کہ شرک کی برائی گناہوں کی بڑی برائی ہے، پس شرک عام طور پر کبیرہ گناہ ہے۔

اللہ کے ساتھ شرک اس کی ربوبیت، الوہیت، اس کے اسما وصافت کے ساتھ شرک کو شامل ہے۔

اس کا قول: ((الیاس من روح الله)): الیاس: امید کا نہ ہونا اور روح، را کی فتح کے ساتھ رحمت کے معنی کے قریب ہے اور وہ کشادگی اور تنفیس۔ اللہ کی رحمت سے مایوسی اپنے بڑے نتائج کی وجہ سے کبیرہ گناہ ہے۔

اس کا قول: ((الأمن من مكر الله)): اس طرح کہ اللہ کی نعمتوں کے استدراج کے ساتھ اس کی نافرمانی کی جائے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَ اُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝﴾ (الأعراف: ۱۸۲-۱۸۳)

''اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ہم ضرور انھیں آہستہ آہستہ کھینچ کر لے جائیں گے، جہاں سے وہ نہیں جانتے۔ اور میں انھیں مہلت دوں گا، بے شک میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔''

اس حدیث کا ظاہر: مصر، اس طرح نہیں: کیوں کہ یہاں اس کے علاوہ کبائر ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ پر سائل کو اس کے حال کی مناسبت سے جواب دیتے ہیں۔ امید ہے آپ ﷺ نے اس سائل کو دیکھا جس کے پاس اللہ کے مکر سے امن کی کوئی چیز تھی یا اللہ کی رحمت سے مایوسی تھی، پس آپ ﷺ نے اس کے لیے بیان کرنے کا ارادہ کیا۔ پس مناسب ہے کہ اس مسئلے میں انسان مظانت سے کام لے ان چیزوں میں جو شرعی نصوص میں سے ہوں اور جن میں تعارض ظاہر ہو۔ پس ان میں ہر ایک اپنے مناسب حال پر محمول کیا جائے تا کہ شرعی نصوص کے درمیان موافقت حاصل ہو۔ اس کا قول: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر میں: ((الا شراك بالله)): یہ سب سے کبیرہ گناہ ہے۔ کیوں کہ یہ سب سے بڑے حق کی نفی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہے اور وہ اللہ کا حق ہے جسے اس نے تجھے پیدا کیا، تجھے شمار کیا اور تجھے پھیلایا۔

اس کا قول: ((الأمن من مكر الله)): اس کی شرح گزر چکی۔

اس کا قول: ((القنوط .....)) قنوط سے مراد: اللہ کی رحمت اور حصولِ مطلب کو بعید سمجھا جائے۔ مایوسی سے مراد یہ ہے کہ انسان زوال مکروہ کو بعید جانے۔ ہم نے یہ بات کہی تا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے کلام میں تکرار حاصل نہ ہو۔

خلاصہ:

اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے کو اگر کوئی حالت درپیش ہو جو اسے اس کے پروردگار سے دور کرے اور وہ یہ ہیں: اللہ کے مکر سے امن اور اللہ کی رحمت سے مایوسی۔ پس جب اسے تکلیف پہنچے یا اس کی پسندیدہ چیز گم ہو، تو پائے گا اس کو اگر اس کا رب اس کا تدارک نہ کرے تو اس پر مایوسی چھا جائے گی اور کشادگی دور ہو جائے گی اور وہ اس کے اسباب کے لیے کوشش نہیں کرے گا۔ اور جو اللہ کے مکر سے امن ہے، پس تو پائے گا انسان کو خود نعمتوں کی فراوانی کے باوجود گناہوں پہ اڑا ہوا۔ وہ خیال کرے گا کہ وہ حق پر ہے پس وہ باطل پر دائم عمل کرتا رہے گا۔ کوئی شک نہیں کہ یہ استدراج ہے۔

اس میں چند مسائل ہیں:

پہلا: آیۂ اعراف کی تفسیر: اور وہ اللہ کا فرمان ہے: ((الآیۃ))۔ اس کی تفسیر گزر چکی۔

دوسرا: آیۂ حجر کی تفسیر: اور وہ اللہ کا فرمان ہے: ((الآیۃ))۔ اس کی تفسیر گزر چکی۔

تیسرا: جو اللہ کے مکر سے خود کو امن میں سمجھے اس کی شدید وعید: کیوں کہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔ جیسا کہ آیت اور حدیث میں ہے۔ پہلی آیت اور دو حدیثوں سے لیا گیا ہے۔

چوتھا: مایوسی کے بارے میں شدید وعید: یہ دوسری آیت اور دو حدیثوں سے ماخوذ ہے۔

صبر: لغت میں: روکنا۔ اس سے ان کا قول ہے: ((قتل صبراً)) یعنی اسے باندھ کر قتل کیا گیا۔

اصلاح میں: چند اشیا سے نفس کو روکنا۔ اس کی تین اقسام ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اول: اللہ کی اطاعت پر صبر، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰىo﴾ (طٰہٰ: ۱۳۲)

''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور اس پر خوب پابند رہ، ہم تجھ سے کسی رزق کا مطالبہ نہیں کرتے، ہم ہی تجھے رزق دیں گے اور اچھا انجام تقویٰ کا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًاo فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا اَوْ كَفُوْرًاo﴾ (الانسان: ۲۳۔۲۴)

''یقیناً ہم نے ہی تجھ پر یہ قرآن اتارا، تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا۔ پس اپنے رب کے فیصلے تک صبر کر اور ان میں سے کسی گناہ گار یا بہت ناشکرے کا کہنا مت مان۔''

یہ اوامر پر صبر ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوا تا کہ آپ ﷺ اس کی تبلیغ کریں۔ پس آپ ﷺ کو اطاعت پر صبر کا حکم دیا گیا۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰيهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًاo﴾

(الکہف: ۲۸)

''اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھ جو اپنے رب کو پہلے اور پچھلے پہر پکارتے ہیں، اس کا چہرہ چاہتے ہیں اور تیری آنکھیں ان سے آگے نہ بڑھیں کہ تو دنیا کی زندگی کی زینت چاہتا ہو اور اس شخص کا کہنا مت مان جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کا کام ہمیشہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔''

یہ اطاعتِ الٰہی پر صبر ہے۔

ثانی: اللہ کی نافرمانی سے رکنا (صبر): جیسے یوسف علیہ السلام کا صبر عزیز مصر کی بیوی کی دعوت سے اس حیثیت سے کہ کہ اس نے اپنے نفس کی طرف دعوت دی اس مکان میں جس میں آپ کو عزت، قوت اور بادشات حاصل تھی۔ اس کے باوجود آپ نے صبر کیا اور فرمایا:

﴿قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ۝﴾ (یوسف: ۳۳)

''اس نے کہا اے میرے رب! مجھے قید خانہ اس سے زیادہ محبوب ہے جس کی طرف یہ سب مجھے دعوت دے رہی ہیں اور اگر تو مجھ سے ان کے فریب کو نہ ہٹائے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں سے ہو جاؤں گا۔''

یہ اللہ کی معصیت سے صبر ہے۔

تیسرا: اللہ کے احکام پر صبر: اللہ فرماتے ہیں:

﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا۝﴾

(الانسان: ۲۴)

''پس اپنے رب کے فیصلے تک صبر کر اور ان میں سے کسی گناہ گار یا بہت ناشکرے کا کہنا مت مان۔''

پس اس آیت میں اللہ کا قدری حکم ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَ لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ بَلٰغٌ فَهَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ۝﴾ (الأحقاف: ۳۵)

''پس صبر کر جس طرح پختہ ارادے والے رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے جلدی کا مطالبہ نہ کر، جس دن وہ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے تو گویا وہ دن کی ایک گھڑی کے سوا نہیں رہے۔ یہ پہنچا دینا ہے، پھر کیا نافرمان لوگوں کے سوا کوئی اور ہلاک کیا جائے گا؟''

کیوں کہ یہ صبر تبلیغ رسالت اور قوم کی اذیت پر ہے۔ اسی سے آپ ﷺ کا قول ہے کسی ایلچی کے لیے اس کی بیٹی کی بابت: اسے حکم دیجیے۔ وہ صبر کرے اور اجر کی امید رکھے۔

صبر کی تین اقسام ہیں: ان میں سب سے اونچا اللہ کی اطاعت پر صبر ہے، پھر اللہ کی معصیت سے صبر ہے۔ پھر اللہ کی اقدار پر صبر ہے۔

یہ ترتیب اسی حیثیت سے ہے جیسی وہ ہے، اس اعتبار سے نہیں جو اس کے ساتھ متعلق ہے، بصورت دیگر معصیت پر صبر انسان کو زیادہ مشقت میں ڈالتا ہے۔ بمقابلہ اس صبر کے جو اطاعت پر ہوتا ہے، کیوں کہ اس میں انسان کی آزمائش درکار ہوتی ہے، جیسے کوئی خوب صورت عورت اسے خالی مکان میں اپنی طرف دعوت دے، سوائے اللہ کے کوئی آگاہ نہ ہو اور وہ آدمی بھرپور جواب اور صاحب شہوت ہو تو نفوس پر اس معصیت سے صبر کرنا (رکنا) بہت مشقت آمیز ہے۔ کبھی انسان سو رکعتیں بھی پڑھ ڈالتا ہے اور اس کے مقابلے میں یہ اس پر زیادہ آسان ہوتا ہے۔

کبھی کبھی انسان ایسی مصیبت کا شکار ہوتا ہے کہ جس پر صبر کرنا اس صبر سے زیادہ مشقت والا ہوتا ہے جو اطاعت پر ہوتی ہے، مثلاً اس کا قریبی، دوست یا جو اسے بہت عزیز ہو، اس کی موت واقع ہو جائے۔ پس تو اسے پائے گا کہ وہ اس مصیبت پر صبر سے بہت بڑی مشقت اٹھاتا ہے۔

اسی سے ہم ان لوگوں کی رائے مسترد کرتے ہیں جو کہتے ہیں: یہ ترتیب قابل اعتراض ہے۔ کیوں کہ بعض نافرمانیوں پر صبر کرنا بعض فرمان برداریوں سے زیادہ مشقت خیز عمل ہے۔ اسی طرح بعض اقدار پر صبر کرنا بڑا مشقت والا کام ہے۔ پس ہم کہتے ہیں: صبر کرنے والے سے قطع نظر ہم محض مراتب ذکر کرتے ہیں۔

اطاعت پر صبر کرنا ایک ارفع چیز ہے، کیوں کہ اس میں جڑنا اور عمل کرنا شامل ہے۔ پس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

تیرے نفس پر نماز لازم ہے اور تو نماز پڑھتا ہے اور روزہ لازم ہے تو تو روزہ رکھتا ہے اور حج لازم ہے تو تو حج کرتا ہے۔ پس اس میں جرت، فعل اور حرکت ہے جو مشقت اور تھکاوٹ کی ایک قسم ہے۔ پھر معصیت سے صبر کیوں کہ اس میں فقط کفایت ہے، یعنی نفس کے لیے ترک کا الزام۔ تو جو اقدار پر صبر ہے، تو چوں کہ اس کا سبب بندے کے پاس اختیار کا نہ ہونا ہے، پس وہ نہ فعل ہے اور نہ ترک۔ وہ محض اللہ کی تقدیر ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے اس باب میں اللہ کی اقدار پر صبر کو خاص کیا کیوں کہ یہ توحیدِ ربوبیت کے تقاضوں میں سے ہے۔

اس کا قول: ((على أقدار الله)) قدر کی جمع ہے جو مقدور اور مقدر کے فعل پر بولا جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ یا تو یہ مقدر کے فعل سے نسبت ہے، پس انسان کا اس پر راضی رہنا اور صبر کرنا واجب ہے۔ یا مقدور سے نسبت ہے۔ پس اس پر صبر واجب ہے اور اس کے لیے رضا مستحب ہے۔ اس کی مثال: اللہ نے کسی شخص کی موٹر کار کا جلنا مقدر میں لکھ دیا۔ پس اللہ کا اسے جلانا مقدر کرنا ایسی تقدیر ہے جس پر راضی رہنا انسان کے لیے ضروری ہے، اس لیے کہ وہ اللہ کے رب ہونے کی رضا کی تکمیل میں سے ہے۔ تو جو مقدور کے لیے نسبت ہے وہ موٹر کار کا جلنا ہے۔ پس اس پر صبر واجب ہے اور اس پر راضی رہنا مستحب ہے اور راجح قول پر واجب نہیں۔

مقدور کبھی طاعات ہوتی ہیں تو کبھی معاصی اور کبھی محض اللہ کے افعال ہوتے ہیں۔ پس طاعات پر راضی رہنا واجب ہے اور معاصی پر راضی رہنا جائز نہیں اس حیثیت سے کہ وہ مقدور ہے۔ تو جو اللہ کی تقدیر ہونے کی حیثیت ہے تو ہر حال میں اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا واجب ہے۔ اسی لیے ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''پس اسی لیے ہم تقدیر پر راضی ہیں اور مقدر سے ناراض ہیں جب وہ نافرمانی ہو۔ پس جو قضا اور قدر کی آنکھ سے کسی بندے کو دیکھے جو نافرمانی کرتا ہے تو اس پر لازم ہے رضا چوں کہ اللہ ہی نے اسے مقدر ٹھہرایا ہے اور اس کی تقدیر میں حکمت ہے۔ اور جب وہ اس کے فعل کی طرف دیکھے تو اس کے لیے جائز نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ اس پر راضی ہو کیوں کہ وہ معصیت ہے۔ یہ قدر اور مقدور کے درمیان فرق ہے۔''

اس کا قول: ((ومن یومن باالله)): ((من)): اسم شرط جازم ہے اور فعل شرط ((یومن)) ہے۔ اور اس کا جواب ''یھد'' ہے۔ ایمان باللہ سے مراد یہاں اس کی تقدیر پر ایمان ہے۔

اس کا فرمان: ((یھد قلبه)): اسے طمانیت دیتا ہے۔ یہ اس بات پر دلالت ہے کہ ایمان کا تعلق دل سے ہے۔ جب دل ہدایت یافتہ ہو تو اعمال بھی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں۔ کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((الحدیث))

اس کا قول: ((قال علقمه)): وہ کبیر تابعی ہیں۔

اس کا قول: ((ھو الرجل تصیبه.....)) علقمہ رحمہ اللہ کی تفسیر یہ ہے کہ ایمان کے لیے لازم ہے، کیوں کہ جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے علم ہونا چاہیے کہ تقدیر اللہ کی طرف سے ہے۔ پس وہ راضی رہے اور تسلیم کرے۔ جب اسے معلوم ہو کہ مصیبت اللہ کی طرف سے ہے تو اس کا دل مطمئن ہوتا اور سکون پاتا ہے۔ اس لیے سب سے بڑی راحت اور طمانت قضا وقدر پر ایمان ہے۔

اس کا قول: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں: ((اثنتان)): مبتدا ہے۔ ابتدا میں تقسیم کو لائے ہیں یا یہ خصوصی طور پر مفید ہے۔

اس کا قول: ((لھم کفر)): احتمال ہے کہ باء ''من'' کے معنی میں ہو، یعنی ((ھما منھم کفر)) اور یہ امکان ہے کہ ''فی'' کے معنی میں ہو، یعنی ((ھما فیھم کفر))

اس کا قول: ((کفر)): یعنی یہ دونوں خصلتیں کفر ہیں۔ مومن میں کفر کی یہ دونوں خصلتیں ہونے سے لازم نہیں کہ وہ کافر ہے، جیسے کافر میں ایمان کی دو خصلتیں، یعنی شجاعت، حیا اور کرم ہونے سے وہ مومن نہیں بن جاتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں اس کا الٹ ہے: شرک وکفر اور آدمی کے درمیان نماز کا چھوڑ دینا ہے۔ یہاں الف لام ہے جو حقیقت پر دلالت کرتا ہے۔ پس یہاں کفر سے مراد مذہب سے خارج کرنے والا کفر ہے بخلاف ''کفر'' کے نکرہ آنے میں۔ پس یہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔

اس کا قول: ((الطعن فی النسب)): یعنی اس میں عیب یا اس کی نفی۔ پس یہ کفریہ عمل ہے۔

اس کا قول: ((النیاحة علی المیت)): یعنی انسان میت پر اس طرح روئے جس طرح کبوتر روتا ہے۔ کیوں کہ یہ بے قراری اور عدمِ صبر پر دلالت کرتا ہے اور یہ صبر واجب کے منافی ہے۔ یہی جملہ اس باب کا شاہد ہے۔ مصیبت کے وقت لوگوں کے چار مراتب ہیں:

پہلا: ناراضی: وہ یا تو دل سے ہوتی ہے۔ گویا وہ اپنے رب سے ناراض ہو دلی طور پر اور اور خود پر اللہ کی تقدیر پر غضب ناک ہو۔ یہ چیز کبھی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُنِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُo﴾ (الحج: ۱۱)

''اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے، پھر اگر اسے کوئی بھلائی پہنچ جائے تو اس کے ساتھ مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اسے کوئی آزمائش آپہنچے تو اپنے منہ پر الٹا پھر جاتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا، یہی تو صریح خسارہ ہے۔''

کبھی یہ زبان سے ہوتی ہے، جیسے ہلاکت، تباہی یا اس طرح کی بددعاؤں کی دعا کرنا۔ کبھی یہ اعضا کے ساتھ ہوتی ہے، جیسے چہروں پر تھپڑ مارنا، گریبان پھاڑنا، اور بال اکھاڑنا یا اس طرح کی حرکات کرنا۔

دوسرا: صبر، جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

صبر کا ذائقہ اپنے نام کی طرح کڑوا ہوتا ہے لیکن اس کا انجام شہد سے میٹھا ہوتا ہے۔

پس انسان خیال کرتا ہے کہ یہ چیز اس پر بوجھ ہے اور اسے مکروہ جانتا ہے، لیکن اس پر تحمل سے کام لے اور صبر کرے اور اس کا وقوع اور عدمِ وقوع اس کے ہاں برابر نہ ہو بلکہ وہ اسے قابل نفرت جانے، لیکن اس کا ایمان ناراضی میں اس کی حمایت کرے۔

تیسرا: رضا، یہ اس سے بلند ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے پاس دو معاملے ہوں۔ برابر ہے کہ وہ اللہ کی قضا اور قدر کی نسبت سے ہوں۔ اگرچہ وہ مصیبت پر غم زدہ ہوتا ہے، کیوں کہ آدمی قضا قدر میں اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ جہاں بھی اس پر قضا وقدر نازل ہو وہ اس کی آسانی پہ نازل ہو یا تنگی پر۔ اگر اسے نعمت ملے یا وہ زحمت کا شمار ہو، سب کچھ اس کے ہاں برابر ہے۔ اس لیے نہیں کہ اس کا دل مردہ ہے، بلکہ اپنے رب کی پوری رضا پر رہنے کی وجہ سے۔ وہ رب کے تصرفات میں پلٹتا ہے، لیکن یہ اس کے نزدیک برابر ہے، کیوں کہ وہ اس کی طرف اپنے رب کی قضا کے اعتبار سے دیکھتا ہے۔ یہی فرق ہے رضا اور صبر میں۔

چوتھا: شکر، اس کا سب سے اونچا مرتبہ ہے۔ وہ خود پر آئی مصیبت پر اللہ کا شکر کرے۔ یہ اللہ کے شکر گزار بندوں میں ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ وہاں اس سے بڑے مصائب ہیں اور دنیا کے مصائب قیامت کے مصائب سے آسان ہیں اور دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے زیادہ آسان ہے اور یہ مصیبت کنارہ ہے۔

اس کے گناہوں کا اور اس کی نیکیوں کے بڑھاوے کا۔ وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔

نبی ﷺ فرماتے ہیں:

((الحدیث))

جیسا کہ آدمی کا ایمان اس سے بڑھ جاتا ہے۔

اس کا قول: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں: ((مرفوعاً)) یعنی نبی ﷺ تک۔

اس کا قول: ((من ضرب الخدود)): اس عموم سے مراد خصوص ہے، یعنی مصیبت کی وجہ سے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کا قول: ((من شق الجیوب)): یہ قمیص کا کونا ہے جس میں سر داخل ہوتا ہے۔ یہ مصیبت کے وقت ناراضی پر اور خود پر ناگوار واقعہ ہونے کی وجہ سے عدم تحمل کے باعث ہے۔

اس کا قول: ((ودعا بدعوی الجاهلية)): دعویٰ مضاف اور جاہلیت مضاف الیہ ہے۔ یہاں کا تنازع دو چیزیں ہیں:

اول: صیغۂ عموم ((دعوی الجاهلية))، کیوں یہ مفرد مضاف ہے اور عموم ہے۔

ثانی: قرینہ: کیوں کہ چہرے پر تھپڑ مارنا اور گریبان پھاڑنا، یہ دونوں فعل مصیبت کے وقت ہوتے ہیں۔ پس جاہلیت کی پکار مصیبت کے وقت ہوتی ہے، جیسے ان کا قول ہے: ہائے تباہی! ہائے بربادی!

پہلا یہ کہ صیغۂ عموم کو فوقیت دی جائے اور قرینہ اسے خاص نہیں کرتا۔ پس دعوے سے مقصود پر وہ دعویٰ ہے جس کا دریافت جہالت ہے۔

اس نے تین اصناف ذکر کیں کیوں کہ مصائب کے وقت اکثر یہی ہوتی ہیں اور مگر اس طرح کہ گھر گرانا۔ برتن توڑنا، کھانا خراب کرنا اور اس طرح کے دوسرے افعال جسے بعض لوگ مصیبت کے وقت کرتے ہیں۔ یہ تین کبیرہ گناہ ہیں کیوں کہ نبی ﷺ ان کے فاعل سے متنفر ہیں۔ حدیث میں عام زندگی میں چہرے پر تھپڑ مارنا داخل نہیں، جیسے باپ کا اپنے بیٹے کو مارنا۔ لیکن چہرے پر مارنا مکروہ ہے کیوں کہ اس سے روکا گیا ہے۔ اسی طرح غیر مصیبت کے وقت گریبان پھاڑنا۔

حدیث انس میں اس کا قول: ((اذا اراد الله بعبد .....)): اللہ اپنے بندے کے ساتھ خیر و شر دونوں طرح کا معاملہ کرتا ہے، لیکن اللہ کے لیے شر سے مراد اس کی ذات کے لیے نہیں، کیوں کہ نبی ﷺ کا قول ہے اس کی دلیل میں: ((والشر ليس اليك)) ۔ جس نے شر کا ارادہ کیا۔ وہ اسی کی ذات کے لیے ہے، لیکن اللہ حکمت کی بنا پر شر کا ارادہ کرتا ہے اور اس وقت حکمت کو ضمن میں لینے کی وجہ سے وہ شر خبر ہوتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کا قول: ((عجل له.....)): العقوبه: گناہ کے باعث کسی مجرم کی باز پرس۔ یہ نام اسی لیے رکھا گیا کہ یہ گناہ کا تعاقب کرتا ہے، لیکن یہ برائی کے مؤاخذے کے بارے میں کہا جاتا ہے۔

اس کا قول: ((عجل له بالعقوبة فی الدنیا)): آخرت میں تاخیر کے باعث ہی یہ خیر بنتی ہے کیوں کہ یہ زائل اور ختم ہوجاتی ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے باہم لعان کرنے والے میاں بیوی سے فرمایا: دنیا کا عذاب آخرت کے مقابلے میں بہت آسان ہے۔

یہاں خیر اس سے بلند تر ہے اور وہ گناہوں کی معافی ہے۔ یہ بلند چیز ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ جب دنیا و آخرت میں اسے سزا نہیں دیتا تو یہ ہر اعتبار سے خیر ہی ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے سزا کی جلدی کو خیر بنایا اس اعتبار سے کہ آخرت کی سزا اس سے کہیں سخت ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَ لَمْ یُؤْمِنْ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰیo﴾ (طٰهٰ: ۱۲۷)

''اور اسی طرح ہم اس شخص کو جزا دیتے ہیں جو حد سے گزرے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لائے اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔''

سزا کی کئی اقسام ہیں:

۱۔ جو دین سے متعلق ہے اور وہ سب سے سخت ہے، کیوں کہ حسی سزاؤں پر انسان کا ہے خبردار ہو جاتا ہے، مگر اس سزا سے آگاہ وہی ہوتا ہے جسے اللہ توفیق دے۔ یہ اس طرح ہے کہ اگر گناہ گار کی نظر میں گناہ بے وقعت ہوجائے تو یہ دینی سزا ہے جسے وہ اس کی نظروں میں حقیر بنا دیتی ہے۔ اسی طرح ترکِ واجب کو حقیر سمجھنا اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں پر غیرت نہ کھانا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے بے نیاز ہونا۔ یہ تمام مصائب ہیں۔ اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

﴿وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ۝﴾ (المائدہ: ٤٩)

''اور یہ کہ ان کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کر جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر اور ان سے بچ کہ وہ تجھے کسی ایسے حکم سے بہکا دیں جو اللہ نے تیری طرف نازل کیا ہے، پھر اگر وہ پھر جائیں تو جان لے کہ اللہ یہی چاہتا ہے کہ انھیں ان کے کچھ گناہوں کی سزا پہنچائے اور بے شک بہت سے لوگ یقیناً نافرمان ہیں۔''

۲۔ بدنی سزا، جیسے جسمانی یا نفسیاتی امراض

۳۔ خاندانی سزائیں، جیسے: ان کا گم ہونا یا انھیں مرض لگنا۔

۴۔ مالی سزا: جیسے: مال کی کمی یا اس کا ضیاع وغیرہ۔

اس کا قول: ((..........)) (امسك عنه ١): یعنی اس کی سزا چھوڑ دیتا ہے۔

امساک اللہ کا فعل ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ فعل کو معطل کر دیتا ہے بلکہ وہ جو چاہتا ہے ماضی حال اور مستقبل میں کر گزرتا ہے، لیکن کسی چیز میں کوئی فعل روکتا ہے تو انتہائی حکمت کی بنیاد پر۔ پس اس کا فعل بھی حکمت اور اس کا امساک، یعنی روکنا بھی حکمت ہے۔

اس کا قول: ((حتــى يو افـى ....)): یعنی اللہ اسے وہ چیز پوری دے گا، یعنی روز قیامت اسے اس کا بدلہ دے گا۔ اور وہ وہ دن ہوگا جس میں لوگ اللہ رب العالمین کے لیے اپنی قبروں سے اٹھیں گے۔ تین وجوہ کی بنا پر قیامت کے دن کا نام رکھا گیا ہے:

۱۔ لوگوں کا اپنی قبروں سے اٹھنا، کیوں کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾ (المطففين: ٦)

''جس دن لوگ رب العالمین کے لیے کھڑے ہوں گے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

۲۔ گواہیاں دینا، کیوں کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ (الغافر: ۵۱)

''بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے ضرور مدد کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔''

۳۔ قیام عدل، کیوں کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ﴾ (الانبیاء: ۴۷)

''اور ہم قیامت کے دن ایسے ترازو رکھیں گے جو عین انصاف ہوں گے، پھر کسی شخص پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر رائی کے ایک دانہ کے برابر عمل ہوگا تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔''

اس حدیث کے لیے مؤلف کے سیاق کی غرض:

جب انسان مصائب کا شکار ہو تو اسے تسلی دینا کہ وہ جزع خزع نہ کرے۔ بے شک یہ خیر ہوتی ہے۔ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے کہیں آسان ہوتا ہے۔ پس وہ اللہ کی حمد بیان کرے کہ اس نے اس کی سزا کو آخرت کے لیے مؤخر نہیں کیا۔

فرض کریں کہ کسی نے کوئی غلطی نہیں کی اور اسے مصیبت پہنچ گئی تو ہم کہیں گے: یہ صبر پر انسان کا امتحان ہے اور اجر کی امید رکھتے ہوئے اس کے درجات کی بلندی ہے۔ لیکن انسان کے لیے جائز نہیں کہ جب اسے مصیبت پہنچے اور وہ رائے رکھے کہ اس نے تو کوئی غلطی نہیں کی اور یہ کہے: مجھ سے کوئی خطا نہیں ہوئی۔ پس یہ تزکیہ ہے۔ اگر ہم فرض کریں کہ کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا اور وہ کسی مصیبت کا شکار ہو گیا تو یہ مصیبت کسی گناہ کو نہیں ملے گی کہ اس کا کفارہ بن جائے، لیکن دل سے ملے گی کہ اسے مٹا دے۔ پس اللہ انسان کو مصائب میں مبتلا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے تاکہ وہ اس کا صبر آزمائے۔ اسی لیے لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے اور سب سے زیادہ تقویٰ رکھنے والے محمد ﷺ کو اتنی تکلیف پہنچائی گئی جتنی ہم میں سے دو آدمیوں کو تکلیف پہنچائی جائے۔ یہ اس لیے ہوا تاکہ آپ ﷺ صبر کے اعلیٰ درجات کو پہنچ جائیں۔ پس آپ ﷺ سب سے بلند اسباب پر صابرین کے مرتبے کو پہنچ گئے۔ اسی باعث نزع کے وقت آپ ﷺ کی حالت بہت شدید ہوگئی۔ اس شدت کے باوجود آپ ﷺ کا دل قائم تھا۔ آپ ﷺ کے پاس عبدالرحمان بن ابوبکر رضی اللہ عنہ مسواک کرتے ہوئے۔ پس آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا۔ پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جان لیا کہ آپ ﷺ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ پس آپ نے کہا: میں آپ ﷺ کے لیے لوں؟ آپ ﷺ نے سرِ انور سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ آپ نے مسواک لی، اسے چبایا اور اور رسول اللہ ﷺ کے لیے نرم کیا اور آپ ﷺ کو دی۔ پس آپ ﷺ اس سے دانتوں کو خلال کر کے صاف کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے آپ ﷺ سے زیادہ مسواک کو خوبصورت انداز سے کرتے کسی کو نہیں دیکھا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور فرمایا:

''سب سے بلند دوست سے ملاقات۔''

پس تو انتہائی شدت کے باوجود اس ثبات، یقین اور صبر عظیم کی طرف دیکھ! یہ سب کچھ اسی باعث ہوا کہ رسول ﷺ صابرین کے اعلیٰ درجات تک پہنچ سکیں۔ آپ نے للہ فی اللہ صبر کیا یہاں تک کہ انتہائی اونچے درجے تک پہنچ گئے۔ پس جسے مصیبت پہنچے اور اس کا نفس اسے بتائے کہ تیرے مصائب تیرے گناہوں سے بڑے ہیں تو وہ اپنے عمل کے ذریعے اللہ کو دباتا ہے اور اس پر احسان دھرتا ہے۔ پس اسے اس سے بچنا چاہیے۔

اس سے ہمارے لیے دو چیزیں واضح ہوتی ہیں:

۱۔ انسان کو مصائب کا پہنچنا اس کے گناہوں کی تکفیر کا سبب بنتا اور دنیا میں سزا کی جلدی کرتا ہے۔ آخرت میں اس کی تاخیر اس کے لیے بہتر ہے۔

۲۔ کبھی مصائب گناہوں سے بڑے ہوتے ہیں تاکہ آدمی بذریعہ صبر اعلیٰ درجات تک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پہنچے۔ ایمان میں صبر کی وہی حیثیت ہے جو جسم میں سر کی۔

اس کا قول: نبی ﷺ نے فرمایا: ((ان عظم الجزاء)) آخر تک۔ یہ حدیث امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ اس کا صحابی ماقبل حدیث کا صحابی ہے:

((ان عظم الجزاء مع عظم البلاء))

یعنی عظیم جزا مصیبت کے ساتھ ہوتی ہے۔ جب بھی مصیبت سخت ہو اور انسان صبر سے کام لے تو جزا عظیم ہو جاتی ہے، کیوں کہ اللہ عادل ہے۔ محسن کو اس کے احسان سے کم جزا نہیں دیتا۔ پس کانٹا چبھنے کی کوئی جزا نہیں، جیسے ہڈی ٹوٹنے کی جزا ہے جب وہ ٹوٹ جائے۔ یہ اللہ کے کمال عدل پر دلیل ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اس میں مصیبت زدہ کے لیے اطمینان ہے۔ اس کا قول:

((وان اللہ اذا أحب قوماً ابتلاھم))

یعنی ان پر قدرتی امور ڈال کر انھیں آزماتا ہے، جیسے: امراض، کسی رشتے دار کی گم شدگی یا انھیں شرعی امور میں سے کسی کی تکلیف دے کر۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ○ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ○﴾ (الانسان: ٢٣۔٢٤)

”یقیناً ہم نے ہی تجھ پر یہ قرآن اتارا، تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا۔ پس اپنے رب کے فیصلے تک صبر کر اور ان میں سے کسی گناہ گار یا بہت ناشکرے کا کہنا مت مان۔“

پس اللہ نے آپ ﷺ سے نعمت کا ذکر کیا اور صبر کی تلقین کی، کیوں کہ آپ ﷺ پر اسی نازل شدہ چیز کی وجہ سے آپ ﷺ کو تکالیف سہنا پڑیں۔

اسی طرح اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے صبر ایک ابتلا ہے، جب کہ حدیث میں ہے:

((الحدیث))

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com

پس یہ اس شخص کی جزا ہے کہ اللہ اسے اس دن اپنا سایہ دے گا جس دن کسی کا سایہ نہ ہوگا۔

اس کا قول: ((فمن رضی .....)): ((مَن)): شرطیہ ہے اور جواب: ((فله الرضا)): ہے۔ یعنی اس کے لیے اللہ کی طرف سے رضا ہے۔ جب اللہ کسی سے راضی ہو تو وہ سب لوگوں کو اس سے راضی ہونے کا باعث بنتا ہے۔ رضا سے مراد: اللہ کے فیصلے پر راضی ہونا اس حیثیت سے کہ وہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ یہ ضروری ہے کیوں کہ اس میں آپ ﷺ کے اس فرمان کی دلیل ہے: ((ومن سخط)): پس رضا ناراضی کے مقابل ہے اور وہ فطری قدرتی مصائب پر عدم صبر ہے۔

یہاں نہیں کہا: ((فعليه السخط)): حالاں کہ سیاق کا تقاضا تھا کہ یہاں فعلیہ کیا جاتا۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۝﴾ (فصلت: ٤٦)

''جس نے نیک عمل کیا سو اپنے لیے اور جس نے برائی کی سو اسی پر ہوگی اور تیرا رب اپنے بندوں پر ہرگز کوئی ظلم کرنے والا نہیں۔''

بعض علما کہتے ہیں: لام، علیٰ کے معنی میں ہے۔ جیسے اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ۝﴾ (الرعد: ٢٥)

''اور وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو اسے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور اس چیز کو کاٹ دیتے ہیں جس کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ اسے ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے لعنت ہے اور انھی کے لیے اس گھر کی خرابی ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

یعنی ان پر لعنت ہو۔

دوسرے کہتے ہیں: لام اپنے معنی میں ہی ہے۔ پس وہ استحقاق کے لیے ہے، یعنی اس کا حق دار ہونے کی بنا پر اس ناراضی ہوئی۔ پس یہ ''علمی'' سے زیادہ بلیغ ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ((اولئك لهم اللعنة)) ،یعنی اس پر ان کا استحقاق ہونے کی بنا پر ان پر واجب ہوئی۔ یہی بات درست ہے۔

اس حدیث سے چند چیزیں نکلتی ہیں:

اللہ عزوجل کے لیے محبت، ناراضی اور رضا کا اثبات، یہ فعلی صفات میں سے ہے۔ کیوں کہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے۔ کیوں کہ اس کے قول: ((اذا أحب قوماً)) میں ''اذا'' مستقبل کے لیے ہے۔ پس محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ فعلی صفت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ محبت کے سبب کے وجود کے وقت بندے سے محبت کرتا اور بغض کے سبب کے وجود کے وقت اس سے بغض رکھتا ہے۔ اور اس بنیاد پر یہ شخص کسی دن اللہ کا محبوب بن جاتا ہے اور کسی دن مبغوض۔ کیوں کہ حکم اپنی علت کے ساتھ چلتا ہے۔ تو جو اعمال ہیں، پس اللہ خیر، عدل، احسان اور اس طرح کی صفات کو پسند کرتا ہے۔ اہل تاویل ان صفات کا انکار کرتے ہیں۔ وہ محبت اور رضا کی تاویل ثواب اور ارادے سے کرتے ہیں اور ناراضی کی تاویل سزا یا اس کے ارادے سے۔

وہ کہتے ہیں: کیوں کہ ان صفات کا اثبات نقص اور مخلوقات سے مشابہت کا تقاضا کرتا ہے۔ اللہ عزوجل کے لیے ان صفات کا ثبوت ہی درست بات ہے اس انداز میں جو اس کے ساتھ لائق ہے، اسی طرح اس کی ساری صفات جو تاویل کے قائل ہیں انھیں ثابت کرتے ہیں۔ ہر وہ صفت جسے اللہ اپنے لیے ثابت کریں اس میں دو چیزیں ضروری ہیں:

۱۔ اس کی حقیقت اور اس کے ظاہر پر اس کا صفات

۲۔ مثال دینے یا کیفیت بیان کرنے سے بچنا

اس میں چند مسائل ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

پہلا: آیۂ تغابن کی تفسیر: اور وہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۝﴾ (التغابن: ۱۱)

''کوئی مصیبت نہیں پہنچی مگر اللہ کے اذن سے اور جو اللہ پر ایمان لے آئے وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

اس کی علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح تفسیر کی ہے جیسے باب کے لیے مناسب تفسیر گزر چکی ہے۔

دوسرا: یہ ایمان باللہ ہے: اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اپنے اس قول ((ھذا)) کے ساتھ اور وہ اللہ کی اقدار پر صبر ہے۔

تیسرا: نسب پر طعن۔ اور وہ اس کا عیب یا اس کی نفی ہے۔ یہ کفر یہ ہے، لیکن مذہب سے خارج نہیں کرتا۔

چوتھا: جو چہرے کو پیٹے، گریبان پھاڑے یا جاہلیت کی سی پکار دے اس کے بارے میں عذاب کی شدت، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بیزار ہیں۔

پانچواں: بندے کے ساتھ اللہ کے خیر کے ارادے کی علامت: وہ یہ ہے کہ اللہ دنیا میں اس کی سزا کی جلدی کرتا ہے۔

چھٹا: بندے کے ساتھ اللہ کا شر کا ارادہ: یعنی اس کے ساتھ اللہ کے شر کے ارادے کی علامت، وہ یہ ہے کہ آخرت میں اس کی سزا کی تاخیر کرنا۔

ساتواں: بندے کے لیے اللہ کی محبت کی علامت، اور وہ آزمائش ہے۔

آٹھواں: ناراضی کی حرمت: یعنی جس چیز میں بندے کی آزمائش ہو، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((من سخط فله السخط))

یہ وعید ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نواں: آزمایش میں رضا کا ثواب: اور وہ بندے سے اللہ کا راضی ہونا ہے۔ کیوں کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((من مرضی فله الرضا))

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ مطلق ترجمہ لائے ہیں۔ اس نے اس کے حکم کو کھول کر ظاہر نہیں کیا۔ وجہ یہ ہے کہ انسان خود ریا والی چیز پر فیصلہ کرے۔

ریا کی تعریف:

یہ راءی یرائی کا مصدر ہے، یعنی اس نے عمل کیا تا کہ اسے لوگوں کو دکھائے اور کہا جاتا ہے۔ مراءاۃ (شیشہ)، جیسا کہ کہا جاتا ہے: جاھد جھادا ومجاھدۃ۔ اس باب میں وہ بھی داخل ہے جو اس لیے عمل کرے تا کہ لوگ اسے سنیں اور اسے کہا جاتا ہے: سمع۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((الحدیث))

ریا باعثِ مذمت عادت ہے۔ یہ منافقین کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَی الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا٥﴾

(النساء: ۱۴۲)

''بے شک منافق لوگ اللہ سے دھوکا بازی کر رہے ہیں، حالانکہ وہ انھیں دھوکا دینے والا ہے اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت کم۔''

دو مقامات پر ریا قابل بحث ہے:

پہلا مقام: اس کے حکم کے بارے میں۔ پس ہم کہتے ہیں: ریا شرک اصغر ہے، کیوں کہ انسان اپنی عبادت کے ذریعے غیر اللہ کا قصد کرتا ہے۔ اور کبھی بڑے شرک تک بھی پہنچ جاتا ہے۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے شرک اصغر کی مثال دی اور کہا: ''جیسے ریا چلتا ہے۔'' یہ چیز

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com

دلالت کرتی ہے کہ ریائے کثیر کبھی شرک اکبر تک بھی پہنچ جاتا ہے۔

مقام ثانی: عبادت کے حکم میں جب اس کے ساتھ ریا شامل ہوجائے۔ اس کی تین وجہیں ہیں:

پہلی وجہ: اصلاً عبادت کا باعث لوگوں کو دکھلانا ہو۔ جیسے جو شخص لوگوں کے دکھلاوے کے لیے نماز پڑھے اور مقصد اللہ کی رضا نہ ہو تو یہ شرک ہے اور عبادت اکارت ہے۔

دوسری وجہ: یہ کہ وہ عبادت کے بیچ میں شرک کی آمیزش کر لے۔ مطلب یہ ہے کہ عبادت کار شروع میں تو اللہ کے لیے مخلص ہو پھر عبادت کے بیچ میں ریا کو داخل کر دے۔ اگرچہ اول عبادت میں مقابلے میں اس کا آخر مناسب نہیں۔ پس اس کا اول ہر اعتبار سے صحیح ہے اور اس کا آخر باطل ہے۔ اس کی مثال: ایک آدمی کے پاس سو ریال ہیں جنھیں اس نے صدقے کے لیے رکھا ہے۔ پس وہ اخلاص سے پچاس صدقہ کر دیتا ہے اور باقی پچاس میں ریا شامل کر لیتا ہے۔ پس پہلے کا حکم صحیح اور دوسرا باطل ہے۔

اگر عبادت کا آخر اس کے اول کے مقابلے میں ٹھیک ہو تو اس کی دو حالتیں ہیں:

ا۔ یہ کہ ریا کو ہٹائے اور اس سے سکون نہ پائے، بلکہ اس سے اعراض کرے اور کراہت کرے۔ پس یہ اس کے لیے غیر مؤثر رہے گی، کیوں کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ((الحدیث))

اس کی مثال: آدمی اللہ کے لیے مخلص ہوئے ہوئے دو رکعتیں پڑھتا ہے۔ دوسری رکعت میں وہ ریا محسوس کرتا ہے اور اسے ہٹانے لگتا ہے۔ پس یہ ریا اسے ضرر نہیں پہنچائے گا اور نہ اس کی نماز پر کوئی غلط اثر ڈالے گا۔

ب۔ یہ کہ وہ اس ریا پر مطمئن ہو اور اسے ہٹائے نہ۔ پس اس وقت اس کی تمام عبادت باطل قرار پائے گی۔ کیوں کہ آخر کی بنیاد پہلے پر ہے اور اس کے ساتھ وہ مربوط ہے۔ اس کی مثال: ایک آدمی خالص اللہ کے لیے دو رکعتیں پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا۔ دوسری رکعت میں اس پر ریا طاری ہوگئی ایک ایسے شخص کو محسوس کرتے ہوئے جو اسے دیکھ رہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ پس وہ اس سے مطمئن ہوا اور اس کی طرف متوجہ رہا۔ پس اس کی ساری نماز اس کے بعض کے بعض سے ارتباء کی وجہ سے برباد ہو جائے گی۔

تیسری وجہ: انتہائے عبادت کے بعد جو چیز طاری ہو۔ یہ اس عبادت پر کچھ بھی موثر نہیں ہوگی۔ ہاں! اگر اس میں زیادتی ہو، جیسے، زیادتی اور صدقے کے بعد اذیت دینا۔ پس اس زیادتی کا گناہ صدقے کے اجر کے برابر ہے۔ پس یہ زیادتی اسے باطل کر دے گی، کیوں کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾

(البقرہ: ٢٦٤)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے صدقے احسان رکھنے اور تکلیف پہنچانے سے برباد مت کرو، اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، تو اس کی مثال ایک صاف چٹان کی مثال جیسی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو، پھر اس پر ایک زوردار بارش برسے، پس اسے ایک سخت چٹان کی صورت چھوڑ جائے۔ وہ اس میں سے کسی چیز پر دسترس نہیں پائیں گے جو انھوں نے کمایا اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

ریا یہ نہیں کہ انسان لوگوں کے علم ہونے پر عبادت سے خوش ہو، کیوں کہ عبادت سے فراغت کے بعد واقع ہوتی ہے۔ اور نہ ہی یہ رہا ہے کہ انسان اطاعت گزاری کر کے اپنے نفس ہی میں خوش ہو لے، بلکہ یہ اس کے ایمان کی دلیل ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

نبی ﷺ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

((الحدیث))

نبی ﷺ سے اس بابت سوال ہوا تو فرمایا:

((الحدیث))

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قل انما أنا بشر مثلکم﴾

اللہ اپنے نبی ﷺ کو لوگوں سے یہ کہنے کا حکم دیتے ہیں کہ میں تمھاری ہی طرح کا انسان ہوں۔ یہ بشریت پر نبی ﷺ کا انحصار ہے۔ بے شک آپ ﷺ رب تھے نہ فرشتہ۔ اور پھر اس بشریت اپنے اس فرمان "مثلکم" سے پختگی دی۔ پس بشریت کی تحقیق کے باب میں ''مثل'' کا ذکر کیا۔

اس کا قول ((یوحی الی)): لغت میں وحی: جلدی اور خفیہ طور پر اطلاع دینا۔ اسی سے اللہ کا فرمان ہے:

﴿فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّاo﴾ (مریم: ۱۱)

''تو وہ عبادت خانے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آیا، پس انھیں اشارے سے کہا کہ پہلے اور پچھلے پہر تسبیح کرو۔''

شرع میں: اللہ کا شریعت سے آگاہ نہ کرنا۔

وحی: یہی فرق ہے ہمارے اور اس ﷺ کے درمیان۔ پس آپ ﷺ دیگر انبیاورسل کی طرح وحی میں ممتاز تھے۔

اس کا قول: ((الا یہ))۔ یہ جملہ تاویل مصدر میں نائب فاعل ہے۔ ((یوحی)) کا۔ اور اس میں اس کے طریق "انما" کا مصر ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے۔ تمھارا صرف ایک ہی معبود ہے اور وہ اللہ ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو تیرے لیے لائق نہیں کہ تو اس عبادت میں اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے جو خالص اسی کا حق ہے۔ اسی لیے اللہ نے اس کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بعد فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۝﴾ (الکھف: ۱۱۰)

''کہہ دے میں تو تم جیسا ایک بشر ہی ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمھارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو تو لازم ہے کہ وہ عمل کرے نیک عمل اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔''

پس اللہ کا فرمان: ((فمن کان یرجوا القاء ربه)): رجا سے مراد: طلب اور امید ہے، یعنی جو اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھے، یہاں ملاقات سے مراد خاص ملاقات ہے۔ کیوں کہ ملاقات کی دو قسمیں ہیں:

اول: عام جو ہر انسان کے لیے ہے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ۝﴾

(الانشقاق: ٦)

''اے انسان! بے شک تو مشقت کرتے کرتے اپنے رب کی طرف جانے والا ہے، سخت مشقت، پھر اس سے ملنے والا ہے۔''

اسی لیے اس پر اس کی تفصیل بیان کی:

﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا۝﴾

(الانشقاق: ۷۔۸)

''پس لیکن وہ شخص جسے اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا۔ سو عنقریب اس سے حساب لیا جائے گا، نہایت آسان حساب۔''

ثانی: مومنین کے ساتھ خاص اور وہ اس کی رضا اور نعمتوں سے ملاقات ہے، جب کہ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

آیت میں ہے۔اور یہ اس بابرکت اور بلند ذات کی رویت کو شامل ہے۔جیسا کہ اس کا ذکر بعض اہل علم نے کیا ہے۔

پس اس کا قول: ((فلیعمل عملاً صالحاً)) فا جواب شرط کے لیے رابطہ ہے اور امر ارشاد کے لیے ہے، یعنی جو اپنے رب سے ملاقات کا آرزومند ہو اس طرح کہ وہ اسی سے راضی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ عمل نیک اعمال کرے۔

عمل صالح: جو عمل خالص ہو اور درست ہو۔یہی آیت سے گواہی کی وجہ ہے۔

خالص: جس عمل سے اللہ کی رضا مطلوب ہو۔اس پر آپ کا قول دلیل ہے۔

((الحدیث))

صواب: جو عمل اللہ کی شریعت کے عین مطابق ہے۔اس پر دلیل آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے۔

((الحدیث))

اسی لیے علما فرماتے ہیں: یہ دونوں حدیثیں اعمال کی میزان ہیں۔اول: باطنی اعمال کی میزان اور ثانی: ظاہری اعمال کی میزان۔

اس کا فرمان: ((ولا یشرك)): لا: نہی کے لیے ہے اور نہی سے مراد ارشاد ہے۔

اس کا فرمان: ((بعبادة دبه أحدا)) اس نے عبادت کو خاص کیا کیوں کہ یہ خالص اللہ کا حق ہے۔اسی لیے علت کی طرف اشارہ دینے کے لیے رب کا کلمہ لایا گیا۔جیسے تیرے رب نے تجھے پیدا کیا۔اور تیری تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں رہا تو واجب ہے کہ اسی کے لیے عبادت ہو۔اسی لیے اس نے نہیں کہا: ((لا یشرك بعبادة الله)) پس رب کا ذکر تعلیل کے باب میں سے ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿یَاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرہ: ۲۱)

"اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جوتم سے پہلے تھے، تاکہ تم بچ جاؤ۔''

اور اس کا فرمان: ((أحداً)) یہ سیاق نہی میں نکرہ ہے۔ پس یہ ہر ایک کے لیے عام ہے۔

آیت سے شاید: ریا شرک ہے۔ پس ان چیزوں میں داخل ہے جن سے روکا گیا ہے۔ اس آیت میں اللہ سے ملاقات کی دلیل ہے۔ اس سے بعض اہل علم نے رؤیت الٰہی کی دلیل لی ہے، کیوں کہ ملاقات کا مطلب ہے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنا۔ اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں آپ عبادت کے مستحق نہیں۔ کیوں کہ آپ ﷺ نے اپنی حالت کو بشریت کے ساتھ محصور کیا جیسا کہ الوہیت کو اللہ کے ساتھ محصور کیا۔

اس کا قول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں: ((قال الله تعالیٰ)) یہ حدیث نبی ﷺ اپنے رب سے بیان کرتے ہیں۔ اس نوع کو حدیث قدسی کہتے ہیں۔

اس کا قول: ((أنا أعنى الشركاء عن الشرك))

اس کا قول: ((أغنى)): اسم تفضیل ہے اور یہ فعل ماضی نہیں۔ اسی لیے یہ شرکا کی طرف منسوب ہے، یعنی جب بعض شرکا اسے غیر کے ساتھ شریک بنانے میں بے نیاز ہوجاتے ہیں تو اللہ ان شرکا کی مشارکت سے زیادہ بے نیاز ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کسی شرک آلود عمل کو ہرگز قبول نہیں کرتا اور وہی عمل قبول کرتا ہے جو اس اکیلے کے لیے خالص ہو۔ پس جب وہ اکیلا خالق ہے تو کیوں کر تو اس کے حق میں سے کسی چیز کو اس کے غیر کی طرف پھیرتا ہے؟ یہ تو بے انصافی ہے۔ اسی لیے حضرت لقمان کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۝﴾ (لقمان: ۱۳)

''اور جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا، جبکہ وہ اسے نصیحت کر رہا تھا اے میرے چھوٹے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، بے شک شرک یقیناً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

بہت بڑا ظلم ہے۔''

پس اللہ ہی نے تجھے خلق کیا اور تمام مصلحتوں سمیت تجھے کامل تیار کیا وار تیری تمام ضرورتیں پوری کیں۔ پھر تو جائے اور اس کے کسی حق کو اس کے غیر کی طرف پھیرے تو کچھ شک کہ یہ سب سے بڑا ظلم ہے۔

اس کا قول: ((عملاً)): یہ سیاق شرط میں نکرہ ہے۔ پس یہ عام ہے، یعنی وہ عمل نماز کا ہو یا روزے کا، حج کا ہو یا جہاد کا یا اور کوئی عمل ہو۔

اس کا قول: ((ترکته و شرکه)): یعنی میں اس کے شرک زدہ عمل پر ثواب نہیں دوں گا۔ کبھی کبھی یہ شرک کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ پس اللہ اس کے جمیع اعمال کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کیوں کہ اگر وہ اس شرک پر مر جائے تو شرک تمام اعملا ضائع کر دیتا ہے۔

اس کے شرک سے مراد:

اس کا شرک آلود عمل ہے۔ اس سے مراد اس کا شریک نہیں، کیوں کہ جس شریک کو اس اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا اللہ اسے نہیں چھوڑے گا، جیسے جس نے کسی نبی یا ولی سے تو ہرگز بے نیاز نہیں ہوگا۔ اس حدیث سے چند مسائل نکلتے ہیں۔

۱۔ اللہ کی بے نیازی کا بیان: اس کے اس فرمان کی وجہ سے: ((أنا اغنی .....))

۲۔ اللہ کے حق کی عظمت کا بیان اور یہ کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اللہ کے ساتھ اس کے حق میں کسی کو شریک ٹھہرائے۔

۳۔ ریا والے عمل کا اکارت جانا، کیوں کہ اس کا فرمان ہے: ((ترکته وشرکه))۔

۴۔ ریا کی حرمت، کیوں کہ انسان اور اس کے عمل کو چھوڑنا اور اس کی عدم قبولت غضب پر دلالت کرتی ہے اور جو چیزیں غضب کو واجب کریں وہ حرام ہیں۔

۵۔ صفات افعال میں کوئی مصر یا قید نہیں، کیوں کہ یہ اللہ فعل کے ساتھ متعلق ہیں۔ اللہ اور اس کے افعال دونوں ہمیشہ رہیں گے۔

اس کا قول حضرت ابو سعید کی حدیث میں: ((الا)): یہ کلمۂ عرض ہے اور اس سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

غرض مخاطب کو خبردار کرنا ہے۔ پس یہ اس کے نہ لانے سے یہ زیادہ بلیغ ہے۔

اس کا قول: ((بما هو)): ما: اسم موصول ہے الذی کے معنی ہیں۔

اس کا قول: ((أخوف عليكم عندي)): یعنی رسول اللہ ﷺ کے پاس کیوں کہ مومنین کے ساتھ اپنی رحمت وشفقت کی وجہ سے وہ ان سے تمام فتنوں سے خائف ہیں۔ دنیا میں سب سے بڑا فتنہ مسیح دجال کا فتنہ ہے۔ لیکن اس شرک خفی کے فتنے سے نبی ﷺ کا خوف فتنۂ مسیح الدجال سے زیادہ ہے۔ بے شک یہ اسی طرح ہے، کیوں کہ اس سے نجات بہت مشکل ہے۔ اسی لیے بعض سلف کہتے ہیں: ''میرے نفس نے جتنی محنت اخلاص پر کی اتنی کسی چیز پر نہیں کی۔'' نبی ﷺ فرماتے ہیں: لوگوں میں سب سے خوش بخت وہ ہے جس نے اپنے دل کے اخلاص سے لا الہ الا اللہ کہا۔ یہ خالی لفظ کافی نہیں۔ بلکہ اخلاص اور اللہ عزوجل کے لیے عبادت والے اعمال بھی ضروری ہیں۔

اس کا قول: ((المسيح الدجال)): المسیح: یعنی اس کی دائیں آنکھ ممسوح ہے۔ پس نبی ﷺ نے دجال کے دو عیوب کا ذکر کیا:

۱۔ ان میں سے ایک حسی ہے اور وہ یہ ہے کہ دجال دائیں آنکھ سے اندھا ہوگا۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((الحديث))

۲۔ دوسرا معنوی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ صیغۂ مبالغہ ہے یا کہا جاتا ہے کہ یہ اس کے ضروری وصف کی طرف نسب ہے اور وہ دجل، کذب اور تمویہ ہے۔ یہ آدمی بنی آدم میں سے ہوگا۔

لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی حکمت سے اسے نکالے گا تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کی آزمائش کرے۔ اس کا فتنہ بہت بڑا ہوگا۔ دنیا میں خلق آدم علیہ السلام سے قیامت دیا کا فتنہ فتنۂ دجال سے بھی سخت ہے۔

اور مسیح الدجال احادیث سے ثابت ہے اور یہ مشہور ہے حتی کہ اس کا علم یقینی طور پر ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کیوں کہ نبی ﷺ اپنی امت کو حکم دیا کہ وہ ہر نماز میں اس سے اللہ کی پناہ مانگے۔ بعض لوگوں نے اس کا انکار کرنے کی بھی کوشش کی اور کہا: اس کی کوئی متناقض صفت بیان نہیں ہوئی اور ممکن ہی نہیں کہ اس کی تصدیق کی جائے، لیکن یہ لوگ اپنی عقلوں اور خواہشات کے ذریعے احادیث کے اندازے لگاتے ہیں اور اللہ کی قدرت کو اپنی طاقت کے مطابق خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں: کیسے سال میں ایک دن ہوگا اور سورج کا نظام اس سے آگے نہ بڑھے گا؟ اللہ کے بارے میں ان کی جہالت پر کوئی شک نہیں۔ پس اللہ ہی نے یہ نظام بنایا اور وہی اسے جب چاہے بدل دینے پر قادر ہے۔ پس روز قیامت سورج لپیٹ دیا جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے اور آسمان کو کھول دیا جائے گا۔ یہ سب کچھ ''کن'' کے کلمے سے ہوگا۔ ان جیسی تعلیلوں کے ذریعے ان احادیث کا رد ایمان کی کم زوری اور اللہ کی قدرتوں کی نفی پر دلیل ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝﴾

(الزمر: ٦٧)

''اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جو اس کی قدر کا حق ہے، حالانکہ زمین ساری قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک بنا رہے ہیں۔''

پس ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ آخری زمانے میں نکلے گا اور اس سے ہر اس چیز کا حصول ہوگا جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اس پر بھی قادر ہے کہ لوگوں کے دین کی آزمایش کی غرض سے ان پر اسے بھیجے تاکہ مومن کافر سے اور خبیث طیب سے الگ ہو سکے۔ جیسے اللہ نے بنی اسرائیل کو شرعی طور پر ہنستے کے روز مچھلیوں کی آزمائش میں ڈالا اور غیر ہنستے والے دن مچھلیاں نہ آئیں اور جس طرح اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نے مومنوں کو اس طرح آزمایا کہ حالت احرام میں ان کے پاس شکار بھیجے کہ انھیں ان کے ہاتھ پہنچیں اور نیزے تا کہ اللہ جان لے کہ کون اس سے ڈرتا ہے بن دیکھے۔اور بے شک اللہ کچھ لوگوں کو ایسی چیزوں سے بھی آزماتا ہے جن سے ان کا امتحان مقصود ہوتا ہے۔اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُo﴾ (الحج: ١١)

''اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے، پھر اگر اسے کوئی بھلائی پہنچ جائے تو اس کے ساتھ مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اسے کوئی آزمائش آ پہنچے تو اپنے منہ پر الٹا پھر جاتا ہے۔اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا، یہی تو صریح خسارہ ہے۔''

اس کا قول: ((الشرك الخفی))، شرک کی دو اقسام خفی اور جلی ہیں۔

جلی: جو زبان سے کیا جائے، جیسے: غیر اللہ کی قسم یا یہ کہنا کہ جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں یا فعلاً ایسا کرنا، جیسے: غیر اللہ کے آگے تعظیماً جھکنا۔

خفی: جو دل میں ہو، جیسے: ریاء اس لیے کہ یہ ظاہر نہیں ہوتی۔دلوں کے حالت اللہ ہی جانتا ہے۔اسے بھی ''پُر اسرار شرک'' کہا جاتا ہے۔یہ وہی ہے جسے اللہ نے اپنے اس فرمان:

﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُo﴾ (الطارق: ٩)

''جس دن چھپی ہوئی باتوں کی جانچ پڑتال کی جائے گی۔''

کے ذریعے واضح کیا ہے، کیوں کہ حساب روز قیامت رازوں پر ہوگا، اللہ فرماتے ہیں:

﴿اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِo وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِo﴾

(العادیات: ٩۔١٠)

''تو کیا وہ نہیں جانتا جب قبروں میں جو کچھ ہے باہر نکال پھینکا جائے گا۔اور جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کچھ سینوں میں ہے ظاہر کر دیا جائے گا۔''

حدیث صحیح میں ہے کہ وہ شخص جو نیکی کا حکم دیتا ہے مگر خود نہیں کرتا اور جو برائی سے منع کرتا ہے مگر خود کرتا ہے، اسے

((الحدیث))

اس کا قول: ((یقوم الرجل .....)): اس میں مرد وزن دونوں برابر ہیں۔ یہاں تخصیص کو مفہوم لقب سے موسوم کیا جانا چاہیے، یعنی یہ حکم زیادہ شرف والے کے ساتھ متعلق ہے، یہاں تخصیص کا کوئی ارادہ نہیں کیا گیا بلکہ یہ ضرف المثل کی بنا پر ہے۔

اس کا قول: ((فیزین صلاته)): یعنی اسے مکمل طمانت کے ساتھ حسین بناتا ہے۔ اور تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے وقت تزین سے کام لیتا ہے۔ اور اسی طرح کی حرکات کرتا ہے۔

اس کا قول:

((لما یری من نظر رجل الیه))

((ما)) موصولہ ہے اور عائد حذف ہے۔

یعنی ایسے شخص کے لیے جو اسے اپنی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ تحسین صلاۃ کی یہی علت ہے۔ اس نے اپنی نماز کو اسی لیے زینت دی تاکہ اسے یہ آدمی دیکھے اور اپنی زبان سے اس کی مدح کرے یا اپنے دل میں اس کی عظمت کا قائل ہو اور یہ شرک ہے۔

اس میں چند مسائل ہیں:

پہلا: آیۂ کہف کی تفسیر: اس پر کلام گزر چکی۔

دوسرا: ((الأمر اولعظیم .....)): یہ اس قول ((ترکته وشرکه)) کی وجہ سے ہے۔ اور یہ بہت بڑا بن گیا، کیوں اس نے عامل پر خسارہ ضائع کیا۔ پس حدیث کا مضمون اس سے اللہ کے غضب پر دلالت کرتا ہے۔

تیسرا: اس کے واجبی سبب کا ذکر اور وہ کمال بے نیازی ہے: یعنی ردکا موجب اللہ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

کمال بے نیازی ہے ہر شرک زدہ عمل سے اور وہ ہر عمل سے بے نیاز ہے، لیکن وہ عمل صالح کو قبول بھی کرتا ہے اور اس پر ثواب بھی دیتا ہے۔

چوتھا: اسباب میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام شرکا سے بہتر ہے: یعنی کسی عمل کو رد کرنے کا باعث یہ ہے کہ جب عامل اس میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے تو اللہ تعالیٰ تمام شرکا سے بہتر ہے۔ پس اس سے نزاع نہ کیا جائے جو اس میں اس کا شریک ٹھہرائے۔

پانچواں: اپنے اصحاب پر ریا سے نبی ﷺ کا خوف: یہ آپ ﷺ کے اس قول ((الحديث)) کی وجہ سے ہے۔ پس جب آپ ﷺ اپنے ساتھیوں پر اس کا خوف کھاتے تھے تو ان کے بعد والوں پر تو خوف کہیں بڑھ کر ہے۔

چھٹا: آپ ﷺ نے اس کی تفسیر کی کہ آدمی اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے، لیکن اسے زینت بخشتا ہے اس شخص کے لیے جو اس کی طرف نگاہیں کرے۔ یہ تفسیر ریا پر مکمل منطبق ہوتی ہے۔ پس اللہ کے رسول ﷺ کے نزدیک ہم پر مسیح الدجل سے زیادہ خوف ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے مسیح الدجال سے اپنی امت پر نبی ﷺ کے خوف کے مسئلے کا تذکرہ نہیں کیا، کیوں کہ یہ مقام ریا کا ہے نہ کہ ان چیزوں کا جن پر اپنی امت پر نبی ﷺ کو خوف ہو۔

اس کا قول: ((من الشرك)): یہاں ''من'' تبعیض کے لیے ہے، یعنی بعض شرک۔

اس کا قول: ((الدنيا)): یہ ارادے کا مفعول ہے، کیوں کہ ارادہ مصدر ہے اور اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔ اگر تو مصدر کی شناخت چاہے کہ آیا وہ فاعل کی طرف مضاف ہے یا اپنے مفعول کی طرف تو اسے فعلِ مضارع کی طرف جو "أن" سے ملا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں: شرک کا باب یہ کہ انسان اپنے عمل سے دنیا کا ارادہ کرے، تو انسان فاعل اور اس بنیاد پر ارادہ مصدر بھی ہے اور اپنے فاعل کی طرف مضاف بھی ہے اور دنیا مفعول یہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس باب کے عنوان کے تین احتمالات (امکانات) ہیں:

اول: یہ کہ اپنے ماقبل کے ساتھ دوبارہ آیا ہے۔ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ مولف ایک ہی مطلب کے لیے لگاتار دو ترجمے تحریر کرے۔

ثانی: ماقبل باب اس باب سے ذرا خاص ہے، کیوں کہ وہ ریا میں خاص ہے اور یہ عام ہے۔ ایسا بھی ممکن ہے۔

ثالث: یہ باب اپنے سے ماقبل باب کی مستقل قسم ہے۔ اور یہ ظاہری بات ہے، کیوں کہ سابقہ باب میں انسان ریا والا عمل کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ عبادت میں اس کی تعریف ہو۔ پس کہا جاتا ہے: وہ عابد ہے۔ اس کا مادی نفع کا کوئی ارادہ نہیں۔ اس باب میں نہ تو اس کا اپنی عبادت کی تحسین کروانے کا کوئی ارادہ ہے اور نہ وہ ریا کاری کا چاہتا ہے، بلکہ وہ اللہ کے لیے خالص عبادت کرتا ہے، لیکن وہ کچھ دنیا چاہتا ہے، جیسے: مال، منصب، اپنی ذات کی صحت اور اپنے اہل وعیال کی اور اس طرح کے ملتے جلتے فوائد۔ پس وہ اپنے عمل سے دنیا کا نفع چاہتا ہے اور آخرت کے اجر سے غافل ہے۔

اپنے عمل کے ذریعے انسان کا دنیا کے ارادے کی کیفیت کھولتی مثالیں:

۱۔ انسان کا مال کا ارادہ کرنا، جیسے کوئی اذان دے تاکہ وہ موذن کی تنخواہ پائے یا حج کرے تاکہ اسے مال ملے۔

۲۔ انسان کا منصب کا ارادہ کرنا، جیسے کوئی کسی کالج میں تعلیم حاصل کرے تاکہ اسے ڈگری ملے اور وہ اونچا منصب پائے۔

۳۔ انسان کا خود سے تکلیف، امراض اور آفات دور کرنے کا ارادہ کرنا، جیسے کوئی اللہ کے لیے عبادت کرے تاکہ اللہ اسے مخلوق کی محبت اور اس سے تکلیفیں ہٹانے کی جزا دے یا اس طرح کا کوئی فائدہ اسے ملے۔

۴۔ یہ کہ وہ اللہ کی عبادت اس ارادے سے کرے تاکہ اسے لوگوں کی محبت ملے اور وہ اچھا نصیب پائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہاں اس طرح کی اور بھی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

تنبیہ:

اعتراض:

کیا اس باب میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو کالج وغیرہ میں ڈگری یا بہ ذریعۂ تعلیم منصب پانے کے لیے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

جواب:

وہ اس میں داخل ہیں جب وہ شرعی غرض نہ رکھیں۔ پس ہم کہتے ہیں:

اول: وہ اس تعلیم کے ذریعے دنیوی منصب کا قصد نہ کریں، بلکہ ان ڈگریوں کو لوگوں کے نفع بخش حقوق میں عمل کا وسیلہ بنائیں، کیوں کہ موجودہ دور میں اعمال کی بنیاد ڈگریوں پر ہے اور لوگ بنا اس وسیلے کے لوگوں کے نفع تک پہنچنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور اس کے ساتھ نیت کا درست ہونا بھی ضروری ہے۔

ثانی: جو اپنی ذات کے لیے علم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا اور اسے صرف کالجوں ہی میں پاتا ہے پس وہ اس مقصد کے لیے کسی کالج وغیرہ میں داخل ہوتا ہے اور اگر وہ کسی منصب کی نسبت سے ہے تو اس پر کوئی اتہام نہیں آتا۔

ثالث: جب انسان اپنے عمل سے دو اچھی چیزوں کا ارادہ کرتا ہے، یعنی حسن دنیا اور حسنِ آخرت کا تو اس پر کوئی چیز نہیں، کیوں کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا اَدْرٰكَ مَا الطَّارِقُo النَّجْمُ الثَّاقِبُo﴾ (الطارق: ۲۔۳)

''اور تجھے کس چیز نے معلوم کروایا کہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے۔''

پس اس نے اسے تقوے کی طرف رغبت دلائی تاکہ وہ ہر قسم کی تنگی سے نکل سکے اور وہاں سے رزق پائے جہاں اس کا سان گمان بھی نہ ہو۔

اعتراض:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

جو اپنے علم سے دنیا کا ارادہ کرے، کیسے کہا جائے کہ وہ مخلص ہے باوجود اس کے کہ اس نے مثلاً مال کا ارادہ کیا؟

جواب:

وہ عبادت میں خالص ہے اور اس نے اس کے ساتھ مخلوق کا بالکل ارادہ نہیں کیا۔ پس اس نے لوگوں کے دکھاوے اور ان کی مدح کا ارادہ نہیں کیا، بلکہ مادی امر کا قصد کیا۔ پس اس کا اخلاص کامل نہیں، کیوں کہ اس میں شرک کی آمیزش ہے، لیکن یہ ریا والے شرک کی طرح نہیں جس میں وہ تقرب الی اللہ سے اپنی مدح کا خواہاں ہوتا ہے۔ اور اس نے اس سے لوگوں کی مدح کا ارادہ نہیں کیا، بلکہ اس کے علاوہ دنیاوی شے کا ارادہ کیا۔

اس میں کوئی عیب نہیں کہ انسان اپنی نماز میں اللہ سے طلبِ رزق کی دعا مانگے، لیکن وہ اس چیز کی وجہ سے نماز نہ پڑھے۔ پس یہ دنیوی مرتبہ ہے۔ پس دنیا میں خیر کی طلب دنیاوی اسباب کے ساتھ، جیسے خرید وفروخت، زراعت۔ پس اس میں کوئی کلام نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم عبادات میں دنیاوی حصے نہ بنائیں۔ عبادت کے حکم میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ جب وہ باب ریا میں اس کے ساتھ ریا کو شامل کرتا ہے۔

ملاحظہ:

بعض لوگ جب عبادت کے فوائد پر بات کرتے ہیں تو انھیں دنیاوی فوائد کی طرف پھیر دیتے ہیں، مثلاً وہ کہتے ہیں: نماز میں مشق ہوتی ہے اور پٹھوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ روزوں میں رطوبت کے زائل ہونے اور اعضا کی ترتیب کا فائدہ ہوتا ہے۔ فرض یہ ہے کہ ہم اصلاً دنیاوی فوائد کو شمار نہ کریں، کیوں کہ اللہ نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر نہیں کیا، بلکہ ذکر کیا کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور روزہ تقوے کا باعث ہے۔ پس عبادات میں دینی فوائد ہی اصلاً ہیں اور دنیوی ثانوی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن جب ہم کلام کرتے ہیں عام لوگوں سے تو ہم ان سے دنیاوی اعتبارات سے مخاطب ہوتے ہیں۔ جب ہم مادی اشیا کے ساتھ قناعت کرنے والے سے بات کرتے ہیں تو پھر ہم اس سے دینی اور دنیاوی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طریقوں سے مخاطب ہوتے ہیں۔ ہر مقام کے لیے الگ کلام ہے۔

اس کا قول: ((من کان .....)) یعنی دنیا میں بقا۔

اس کا قول: ((وزینتها)) یعنی مال، بیٹے، عورتیں، کھیتی، چوپائے، نشان زدہ گھوڑے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ۝﴾

(آل عمران: ١٤)

''لوگوں کے لیے نفسانی خواہشوں کی محبت مزین کی گئی ہے، جو عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان لگائے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی ہیں۔ یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔''

اس کا قول: ((نوف الیهم)): فعل مضارع ہے، جس کا آخر معتل ہے جو حرفِ علت کے حذف کے ساتھ مجزوم ہے، کیوں کہ وہ جواب شرط ہے۔ معنی یہ ہیں: انھیں وہ کچھ دیا جائے گا جس کا وہ دنیا میں ارادہ رکھتے تھے۔ اور اس سے کفار جو محض دنیا اور اس کی زینت ہی کے لیے کوشش کرتے تھے، پس ان کے لیے ان کی عمدہ چیزیں ان کی دنیاوی زندگی ہی میں دے دی گئیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ۝﴾

(الاحقاف: ٢٠)

''اور جس دن وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، آگ پر پیش کیے جائیں گے، تم اپنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

نیکیاں اپنی دنیا کی زندگی میں لے جا چکے اور تم ان سے فائدہ اٹھا چکے، سو آج تمھیں ذلت کے عذاب کا بدلہ دیا جائے گا، اس لیے کہ تم زمین میں کسی حق کے بغیر تکبر کرتے تھے اور اس لیے کہ تم نافرمانی کیا کرتے تھے۔''

اسی لیے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پہلو پر چار پائی کے نشان دیکھے تو وہ رو پڑے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں روئے؟ آپ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ قیصر و کسریٰ تو دنیا کے مزے لوٹیں اور آپ ﷺ اس حال میں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں کو ان کی عمدہ چیزیں جلدی دے دی گئیں ہیں۔ درحقیقت یہ ان کے لیے ضرر کا سامان ہے، کیوں کہ یہ جب دارالنعیم سے جہنم کی طرف منتقل ہوں گے تو دنیا کے مال ومتاع کی عدم موجودگی ان پر بہت سخت اور گراں گزرے گی۔

اس کا قول: ((وھم.....)): النجس: نقص، یعنی جائز شدہ چیزوں میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی، کیوں کہ اللہ عادل ہے وہ ظلم نہیں کرتا۔ پس جن چیزوں کا وہ ارادہ کرتے ہیں وہ انھیں دیا جاتا ہے۔

اس کا قول: ((اولـئك)): یہ اشارہ ہے ان لوگوں کی طرف جو دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتے ہیں۔

اس کا قول: ((الاٰیۃ)): اس میں حصر ہے اور اس کا طریق نفی اور اثبات کا ہے، یعنی وہ جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے، کیوں کہ جس کے لیے آگ ہے وہ جنت سے محروم ہے اور اللہ کی پناہ! اس کا قول ((وحبـط مـا صنعوا فیھا)): الحبوط: زوال، یعنی انھوں نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ زائل ہوگیا۔

اس کا قول: ((وبـطـل مـا كـانـوا يعلمون)): ((وبطل)): یہ خبر مقدم ہے کیوں کہ آیات میں فواصل کی مراعات ہے اور مبتدا ''ما'' ہے اس کے فرمان ((ما کانوا یعلمون)) میں۔ پس اللہ نے ثابت کر دیا کہ ان کے لیے آگ ہی ہے۔ اور انھوں نے دنیا میں جو کیا وہ ضائع ہوگیا اور ان کے تمام اعمال باطل ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کا فرمان: ((الآیۃ)) مخصوص ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ:

﴿﴾ (الاسراء:)

ترجمہ:

اعتراض:

ہم آیت ہود کی آیت آسرا پر فیصلہ کن کیوں نہیں بناتے۔ اور اللہ تعالیٰ وعدہ کرتے ہیں۔ اس سے جو دنیا میں جلدی کا ارادہ رکھتا ہے یہ کہ اس کے لیے وہ کچھ کرے جو وہ چاہتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے؟ پھر وہ اسے دینے کا وعدہ کرے جو وہ چاہتا ہے۔

جواب:

یہ مطلب دو چیزوں کی وجہ سے مستقیم نہیں:

اول: نصوص میں شرعی قاعدہ یہ ہے کہ اخص اعم سے مقدم ہوتا ہے۔ آیۂ ہود عام ہے، کیوں کہ جس نے دنیا کی زندگی اور اس کے زینت چاہی، اسے اس کا عمل پورا پورا دیا جائے گا اور اسے اس کی تمام خواہشات پوری کی جائیں گی۔ جو آیۂ اسرا ہے وہ خاص ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا﴾ (الاسراء: ۱۸)

''جو شخص اس جلدی والی (دنیا) کا ارادہ رکھتا ہو ہم اس کو اس میں جلدی دے دیں گے جو چاہیں گے، جس کے لیے چاہیں گے، پھر ہم نے اس کے لیے جہنم بنا رکھی ہے، اس میں داخل ہوگا، مذمت کیا ہوا، دھتکارا ہوا۔''

یہ ممکن نہیں کہ عام کے ذریعے سے خاص پر حکم لگایا جائے۔

ثانی: آیۂ اسرا جس چیز پر دلالت کرتی ہے واقعہ اس کی شہادت دیتا ہے، کیوں کہ بعض فقیر کفار فقیر مسلمانوں سے زیادہ غریب ہوتے ہیں۔ پس آیۂ ہود کا عموم آیۂ اسراء سے مخصوص ہے۔ پس معاملے کو اللہ کی مشیت کے سپرد کیا جائے اور ان کے بارے میں جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

اس کا ارادہ رکھتے ہیں۔

آیت ہود جن کے بارے میں نازل ہوئی ان کے بارے میں اختلاف:

۱۔ کہا گیا کہ یہ کفار کے بارے میں نازل ہوئی، کیوں کہ کفار ہی دنیاوی زندگی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کا سیاق اور اس پر مرتب جزا اس پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس بنیاد پر ترجمے سے اس کی مناسب کی وجہ ہے کہ جب کفار کے عمل سے دنیا کا ارادہ کیا جائے تو جو اس میں ان کے ساتھ شریک ہو وہ اس سے ہی ہوگا۔ پس اس میں ان کا شرک اور ان کا کفر شامل ہے۔

۲۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ ریا کاروں کے بارے میں نازل ہوئی کیوں کہ وہ دنیا ہی کے لیے نیک اعمال کرتے ہیں۔ پس انھیں روز قیامت کوئی جزا نہیں ملے گی۔

۳۔ یہ کہا گیا کہ یہ اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے نیک عمل کے ذریعے مال کا طلب گار ہے۔

سیاق پہلے قول پر دلالت کرتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝﴾ (ھود: ۱۶)

''یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور برباد ہوگیا جو کچھ انھوں نے اس میں کیا اور بے کار ہے جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔''

تنبیہ:

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آیت کی تکمیل کی طرف بس اشارہ کیا ہے اور ہم نے ان جانے میں بعد کی آیت کا اضافہ کر دیا۔ امید ہے اس سے خبر برآمد ہوگا۔

اس کا قول: ((وفی الصبح عن ابی ھریرۃ)) قول مولف پر کلام گزر چکی: ((و فی الصحیح)) توحید کی تفسیر اور لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کے اب میں۔

اس کا قول: ((تعسی)): عین کی فتح یا کسرے کے ساتھ، یعنی نامراد ہوا اور ہلاک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com

ہوا۔

اس کا قول: ((عبدالدینار)): الدینار: یہ نقد سونا ہے اور اسلامی دینار کا وزن مثقال ہے۔ اس کا نام عبدالدینار اس لیے رکھا کیوں کہ اس کا اس کے ساتھ وہی تعلق ہے جو بندے کا اپنے رب سے۔ گویا اس نے اس کے غم کو بڑھا دیا اور اپنے رب کی اطاعت پر اسے مقدم رکھا۔ عبدالدرہم کے باب میں بھی وہی کہا جاتا ہے جو عبدالدینار کے باب میں۔ درہم نقد چاندی کا نام ہے۔ اسلامی درہم کا وزن سات عشر مثقال ہے۔ پس ہر دس درہم سات مثقال ہوتے ہیں۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے یہ بیان کرنے کا ارادہ کیا کہ کچھ لوگ دنیا کے پجاری ہوتے ہیں، یعنی اس کی خاطر پستی میں جاتے اور کم ظرفی کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی کی غرض وغایت رکھتے ہیں۔ پس جب یہ کم ہو جائے تو غضب میں آجاتے ہیں اور مل جائے تو راضی ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے جس کی یہ حالت ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کا بندہ قرار دیا ہے۔ جو سونا چاندی کا مال جمع کرتا ہے۔ وہ اپنے عمل سے دنیا کا ارادہ کرتا ہے۔

اس کا قول: ((تعس .....)) یہ وہی ہے جو اپنے مظہر اور اثاثوں میں مشغول رہتا ہے، کیوں کہ خمیصہ (چادر) نرم بچھونا ہے۔ اسے صرف انھی چیزوں کا رہتا ہے۔ جب وہ انھی چیزوں کا عبادت گزار بن جائے جن کے لیے اس نے اپنی کوشش اور ہمت خرچ کی تو کیا کیفیت ہوگی اس کی جو اپنے نیک اعمال کے ذریعے کچھ دنیا کا ارادہ کرے اور دین کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے۔ یہ تو کہیں بڑا گناہ ہے۔

اس کا قول: ((ان عطی .....)) امکان ہے کہ دینے والا اللہ ہے۔ پس عطا فطری ہے، یعنی اگر اللہ اس کے لیے رزق اور عطا مقدر کر دے تو وہ راضی ہو اور اس کا سینہ کشادہ ہو اور اگر وہ ممنوع ہو جائے یا وہ بے نصیب ٹھہرے تو اپنے دل اور زبان سے ناراضی کا اظہار کرے۔ گویا وہ کہتا ہے: میں فقیر اور یہ غنی کیوں ہے؟ اور اس طرح کے ملتے جلتے فقرے کہتا ہے۔ پس وہ اللہ کے فیصلے اور تقدیر پر ناراض ہے کیوں کہ اللہ نے اس سے اسے منع کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکھا ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی حکمت کی بنا پر دیتے اور نہیں دیتے۔ وہ دنیا اسے بھی دیتے ہیں جس سے محبت رکھتے ہیں اور اسے بھی جس سے محبت نہیں رکھتے۔ وہ دین اسے ہی دیتے ہیں جس سے وہ محبت رکھتے ہیں۔ مومن پر فرض ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے اور اس کی تقدیر پر راضی رہے، اگر اسے ملے تو شکر گزار بنے اور اگر نہ ملے تو صبر کرے۔

ممکن ہے عطا سے مراد شرعی عطا ہو، یعنی اگر اسے وہ مال ملے جس کا شرعی طور پر مستحق ہے تو وہ راضی ہو اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض ہو۔ دونوں معنی درست ہیں۔ دونوں اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ آدمی مال پر ہی راضی ہوتا ہے اور اسی کے لیے ناراض ہوتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام اس کا بندہ رکھا۔

اس کا قول: ((تعسن وانتکس)): تعس: یعنی وہ ہلاک اور نامراد ہوا۔ انتکس: یعنی اس پر معاملات پیچیدہ ہوگئے اس طرح کہ اس کے لیے کوئی آسانی نہیں۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے ارادے کے خلاف کچھ چیزیں آڑ بن جاتی ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

((واذا شیك فلا انتقش))

یعنی جب اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ خود اسے اس اذیت کو زائل کرنے کی طاقت نہ پائے۔

یہ تینوں فقرے ممکن ہے آپ ﷺ کی جانب سے اس آدمی کی حالت کے بارے میں خبر ہو اور وہ پیچیدگی، اشکال اور اذیت سے عدم بچاؤ میں یہ بھی امکان ہے کہ ایسے صاحب حالت پر یہ باب دعا میں سے ہو، کیوں کہ وہ دنیا ہی کے لیے اہتمام کرتا ہے۔ پس آپ ﷺ نے اس کی ہلاکت کی بدعا کی ہو اور یہ کہ اسے دنیا کا کوئی حصہ نہ پہنچے اور یہ بھی کہ وہ اذیت دہ چیز کے ازالے پر قادر نہ ہو۔ وہ شرک تک پہنچے جب کہ وہ اسے اللہ کی اطاعت سے روکے۔ یہاں تک کہ وہ مال ہی کے لیے راضی ہو اور مال ہی کے لیے ناراض ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "